بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۲ شمارہ ۶

جون ۲۰۱۸ء

شوال المکرم ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	نئی نسل کا تہذیبی اور اخلاقی انحطاط	محمد طفیل احمد مصباحی	۳
	تحقیقات		
علمی تحقیق	علومِ اسلامی میں قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے (آخری قسط)	خورشید احمد سعیدی	۵
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۷
	نظریات		
فکر امروز	ڈاکٹر ذاکر نائک کے نظریۂ الوہیت کا تنقیدی جائزہ	صبور احمد، لاہور	۹
	اسلامیات		
شعائر	انبیاء علیہم السلام کا بعدِ وصال حج و عمرہ کرنے کا ثبوت	محمد عبد السبحان مصباحی	۱۸
اسلامی معاشرت	والدین کے حقوق اور تربیتِ اولاد	محمد عبد المبین نعمانی	۲۲
	ماحولیات		
حقائق و شواھد	اسلام میں شجر کاری کے فوائد	حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی	۲۳
	شخصیات		
انوارِ حیات	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: احوال و آثار	مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی	۲۶
	سیاسیات		
آئینۂ وطن	ملک میں فسادات: ہم کیا کریں	فیاض احمد مصباحی	۳۳
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	وراثت میں لڑکیوں کا حصہ: ایک مثبت جائزہ	محسن رضا ضیائی/ساجد رضا مصباحی	۳۵
	ادبیات		
گوشۂ ادب	سید محمد نور الحسن نورؔ نوابی کی نعتیہ شاعری	محمد طفیل احمد مصباحی	۴۲
نقد و نظر	باغ فردوس کا مجتہدینِ اسلام نمبر (۲)	تبصرہ نگار: مولانا توفیق احسن برکاتی	۴۷
خیابانِ حرم	نعتیں	مولانا وصال احمد اعظمی مصباحی/سید مجیب الحسن مجیب نوّابی/مہتاب پیامی	۴۹
	مکتوبات		
صدائے باز گشت	صادق رضا مصباحی/غوث سیوانی		۵۰
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	مولانا مفتی محمود احمد رفاقتی کا وصال/مدنی میاں عربک کالج کا ستائیسواں سالانہ جلسۂ دستار بندی/تحریک پیغامِ اسلام کے زیر اہتمام عظیم الشان "امام اعظم ابو حنیفہ کانفرنس و سیمینار"/تنویر رضا برکاتی "کوہِ نور آف برہان پور" ایوارڈ سے سرفراز		۵۳

اداریہ

نئی نسل کا تہذیبی اور اخلاقی انحطاط

محمد طفیل احمد مصباحی

”ماں کی گود اور باپ کی شفقت بھری آغوش، بچوں کی پہلی درس گاہ ہے۔“ یہ بات بالکل مبنی بر صداقت ہے۔ بلا شبہہ والدین کی گود بچوں کی وہ پہلی درس گاہ ہے جہاں سے شعور و آگہی اور تہذیب و اخلاق کی کرن پھوٹتی ہے اور اس کی روشنی میں بچہ شاہ راہِ حیات طے کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ والدین کی گود بچوں کے لیے تعلیم و تربیت اور اخلاقی اقدار سے آراستہ کرنے والی درس گاہ اس وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ والدین خود تعلیم یافتہ اور اسلامی تربیت سے آراستہ ہوں۔ ورنہ اس درس گاہ سے (جو ایک کارخانے کے مثل ہے) خام مال ہی برآمد ہوگا اور یہ خام مال بازار میں اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھے گا۔ تعلیمی انحطاط اور اخلاقی تنزّل کے اس ہوش ربا دور میں جب ہم ملک و معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کچھ حد تک تعلیم تو نظر آتی ہے، مگر اخلاقی تربیت کا فقدان نظر آتا ہے۔ مسلم معاشرے کی اکثریت تعلیم و تربیت سے کوسوں دور ہے، ایسے میں بچوں کی عمدہ تعلیم اور بہتر اسلامی تربیت کیوں کر انجام دی جا سکتی ہے۔ نتیجہ نگاہوں کے سامنے ہے کہ آج ہماری نئی نسل تہذیبی اور اخلاقی انحطاط کی شکار ہے۔ شہروں میں آباد مسلم گھرانے میں تعلیمی ماحول ضرور ہے، مگر اس میں بھی اسلامی تربیت اور اخلاقی عنصر کا فقدان ہے۔

بچّے جنت کے پھول ہیں۔ ان پھولوں کی نگہداشت نہایت ضروری ہے۔ حسنِ اخلاق کی شبنمی پھوہار ہی گلزارِ ہستی کے ان نونہال اور تازہ رس پھولوں کی تازگی و شادابی کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ مذہبِ اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی اخلاقی پرورش کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور والدین کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام کریں۔

بچوں کی شخصیت اور ان کی زندگی پر براہِ راست اثر انداز ہونے والے مندرجہ ذیل تین عوامل ہیں: (۱) گھر (۲) مدرسہ (۳) معاشرہ

افسوس کا مقام ہے کہ آج ان تینوں مقامات پر بچوں کو تعلیم اور تفریحِ طبع کے سامان تو مل جاتے ہیں، لیکن انھیں اخلاقی تربیت کا وہ جوہر نہیں مل پاتا جو زندگی کو سنوارنے اور شخصیت کو نکھارنے میں بنیادی کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ اخلاقی اقدار سے عاری، اسلامی تہذیب اور اخلاقی تربیت سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان کو اچھا ماحول نہیں ملتا ہے، وہ بتدریج برے ماحول کا اثر قبول کرنے لگتا ہے اور برے ماحول کے سانچے میں ڈھل کر ملک و معاشرے کے لیے دردِ سر بن جاتا ہے۔ لہٰذا آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ بچوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی دینی تربیت اور اخلاقی پرورش پر خاطر خواہ توجہ دی جائے اور ان کی شخصیت کو نکھارنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

نئی نسل کے تہذیبی اور اخلاقی انحطاط کے فکری و عملی مظاہر ہمیں والدین کی نافرمانی، بڑوں کی ناقدری، فیشن پرستی، اباحیت پسندی، سنیما بینی، موبائل اور انٹرنیٹ سے حد درجہ دلچسپی کی شکل میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ بچے اپنے والدین کے سامنے زبان کھولنے کی ہمّت نہیں کرتے تھے اور بڑوں کے آگے بلا تکلف گفتگو کرنے سے گریز کرتے تھے۔ لیکن آج حال ہے کہ بچّے، والدین کے سوالات کے ترکی بہ ترکی جواب دینے کے علاوہ زبان درازی تک کر بیٹھتے ہیں۔ ان کی نافرمانی اور دل آزاری کرتے ہیں۔ بڑوں کے سامنے ڈھٹائی سے گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی بے عزّتی اور ناقدری کرتے ہیں۔ آدابِ محفل سے ناآشنا یہ شریف بچّے، بڑوں کے سامنے بھری محفل میں موبائل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور بڑوں کی گفتگو سن کر نصیحت حاصل کرنے کے بجائے موبائل کو ہی اپنا مربّی سمجھتے ہیں۔ حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب کان میں ایئر فون لگا کر یہ بچے گانا سنتے ہوئے محلے کی گلیوں، کوچوں کی سیر کرتے ہیں اور بعض اعلیٰ قسم کے شریف بچے تو پوری آواز کے ساتھ اپنے موبائل سے گانا سنتے ہوئے سڑکوں پر دندناتے پھرتے ہیں۔ تہذیبی زوال اور اخلاقی انحطاط کی اس سے بُری مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج موبائل، انٹرنیٹ اور شوسل میڈیا نے نئی نسل کو وقت سے پہلے جوان اور جوانوں کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ کی فتنہ سامانیوں اور زہرناکیوں سے اللہ ہم سب کو بچائے۔ تضییعِ اوقات اور تعلیمی نقصان کے علاوہ تہذیبی انحطاط اور اخلاقی گراوٹ میں اس وقت موبائل اور انٹرنیٹ نے سب سے زیادہ افسوس ناک کردار ادا کیا ہے۔

نئی نسل کو اس بلائے عظیم اور سیلابِ بلا خیز کی نذر کرنے میں والدین، سماج اور حکومت کی مجرمانہ خاموشیوں کا بڑا دخل ہے۔ ایّام شیر خوارگی سے دس بارہ سال تک کی عمر کے بچوں کو آج موبائل کھلونے کے طور پر دیا جاتا ہے۔ بچے اس پر گیم کھیلتے ہیں۔ کارٹون والے ویڈیوز دیکھتے ہیں۔ گانے

سنتے ہیں اور آگے چل کر وہ سب کچھ کرنے لگتے ہیں، جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ والدین کی مجرمانہ کوتاہی نہیں تو اور کیا ہے؟ بچوں کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ان کے گھر کے ماحول کا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد سماج اور حکومت کا۔ والدین کی گود، بچے کی پہلی تربیت گاہ ہے، اس لیے والدین کو بچوں کی تعلیم اور اخلاقی تربیت میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ برائیوں کو ختم کرنے سے پہلے ان کے اسباب و دواعی پر قدغن لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ موبائل اور انٹرنیٹ کیا ہیں؟ بُرائیوں کا پٹارہ اور پشتارہ ہی تو ہیں۔ عیاشی کے فروغ اور اخلاقی انحطاط میں افسوس ناک کردار ادا کرنے والے اس زہریلے جراثیم کو ہمیں سب سے پہلے ختم کرنا ہوگا۔ موبائل اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال نے آج ہماری اخلاقی اقدار کا جنازہ نکال دیا ہے اور فیشن پرستی میں مبتلا کرکے ہم سے ہماری دینی حمیّت وغیرت چھین لی ہے۔ اللہ کی پناہ!

اخلاقی اقدار کی اہمیت:

اسلامی دستورِ حیات کے زرّیں ابواب میں سے ایک بڑا اہم اور دلکش باب ”اخلاقیات“ کا بھی ہے، جو اپنے اندر بڑی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے۔ اس کا ایک جمالیاتی پہلو یہ بھی ہے کہ حسن اخلاق کے حامل افراد کو یہ دین و دنیا کی سعادتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ حسن اخلاق، انسان کی شخصیت کو نکھارتا ہے اور اسے ملک و معاشرے میں عزت و وقار کی کرسی پر بٹھاتا ہے، اس کے برعکس قبح اخلاق، انسان کی شخصیت کو داغ دار بناتا ہے اور اسے معاشرے میں ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ حسن اخلاق کا مظاہرہ کرکے بڑے سے بڑے جانی دشمن کو بھی اپنے قدموں میں جھکایا جاسکتا ہے، جب کہ بداخلاقی کا معاملہ کرنے سے اپنا دوست بھی بعض اوقات دشمن بن جایا کرتا ہے۔ اخلاقی انحطاط کے تباہ کن اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔ دوست، دشمن اور اپنے، بیگانے ہوجاتے ہیں اور لوگ بداخلاق شخص کا نام سن کر بعض دفعہ لاحول پڑھنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بہت برا ہے جس کی بداخلاقی کی بنیاد پر لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ قرآن و حدیث اور تصوف کی کتابوں میں ”حسن اخلاق“ کی بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ معلم کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو حسنِ اخلاق کے زیور سے آراستہ کرکے دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی توسیع و اتمام بتایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وانك لعلىٰ خلق عظيم.

فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے: بعثت لاتمم مكارم الأخلاق. (مؤطا امام مالك، ج:٢، ص:٤٠٩)

یعنی محاسن اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں (دنیا میں) بھیجا گیا ہوں۔

مشہور حدیث قدسی ہے: عن ابن عمر رضی الله عنهما قال النبی ﷺ: قال الله تعالیٰ: انا الله، خلقت العباد بعلمی، فمن اردت به خیرا، منحته خلقا حسنا، ومن أردت به سوء امنحته خلقا سیّئا. (جمع الجوامع للسیوطی، حرف القاف، حدیث: ١٥١٢٩، جلد: ٥، ص: ٢٨٥، دار الكتب العلمیه، بیروت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان بیان فرمایا کہ: میں اللہ ہوں، میں نے بندوں کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا۔ تو جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا، اسے حسنِ اخلاق عطا کیا اور جس کے ساتھ شر کا ارادہ کیا، اسے بدخلقی عطا کی۔

مشکوٰۃ شریف کی مشہور حدیث ہے: اكمل المومنين ايمانا أحسنهم خلقا.

دوسری روایت ہے: مامن شيئ أثقل في الميزان من حسن الخلق.

یعنی وہی شخص مومن کامل ہے، جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور قیامت کے دن انسان کے نامۂ اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔ سبحان اللہ!

مندرجہ بالا نصوص مبارکہ سے حسن اخلاق کی اہمیت و فضیلت پہ بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اخلاق کا مفہوم بڑا وسیع ہے محض اچھی عادت، نیک خصلت اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا نام ہی اخلاق نہیں، بلکہ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، شرافت و مروّت، سخاوت و فیّاضی، صبر و شکر، حلم و بردباری، عفو و کرم، تواضع و انکساری، عفت و پارسائی، دینی غیرت و حمیّت، شرم و حیا، سادگی و عاجزی، شگفتہ روئی و خندہ پیشانی اور نرم مزاجی، یہ تمام چیزیں ”حسن اخلاق“ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

تہذیبی زوال اور اخلاقی انحطاط کے اس افسوس ناک دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ والدین بھی حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ ہوں اور اپنے بچّوں کو بھی دینی و اخلاقی تربیت سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو حسنِ اخلاق کی دولت سے مالامال فرمائے۔

علومِ اسلامی میں

قابلِ اشاعت تحقیقی مقالے کے عناصرِ ترکیبی اور تقاضے

خورشید احمد سعیدی

مقالے کے مرکزی حصہ میں موضوع کے تمام افکار میں گہرے ربط اور اُن کی ترکیبی کڑیوں میں تاریخی یا عقلی یا کسی منطقی ترتیب کا خاص لحاظ رکھا جائے

مرکزی بحث میں پیش کی جانے والی احادیث پر محدثین کا حکم کا ذکر کیا جائے۔ بقیہ مصادر سے منقول لفظی یا تلخیصی اقتباس سے پہلے اُن کے لیے تعارفی جملے اور بعد میں وجہِ استدلال، تجزیہ اور اُن میں مذکور افکار کی قدر وقیمت کا تعین اور تعمیری نقد ضرور پیش کی جائے۔

مرکزی بحث میں استعمال کیے جانے والے تمام مصادر و مراجع اساسی، موضوع کی نوعیت اور میدانِ تخصص سے ہم آہنگ ہوں۔ اُن سے استفادہ اور اخذ اقتباسات میں تاریخی ترتیب اور درجۂ استناد کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

مقالے کے پورے متن میں املا، رسم الخط، رموزِ اوقاف اور رسمیاتِ مقالہ کے دُرست استعمال کے ساتھ ساتھ صحتِ کتابت کا خاص اہتمام کیا جائے۔

کسی بھی اقتباس کے حوالہ کے لیے تمام مطلوبہ عناصر اپنی دُرست ترتیب، اور مقالے میں وارد تمام شخصیات کے مختصر تعارف مع سَن ولادت ووفات کا مکمل دھیان رکھا جائے۔

مقالے کی زبان اور اُسلوب حکیمانہ، دلچسپ اور اہدافِ بحث کو حاصل کرنے میں مددگار ہو۔

مقالے میں از ابتدا تا انتہا تحقیقی کام کی اخلاقیات کا دامن کسی صورت ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ علمی سرقہ اور جامعات میں پیش کردہ ایم فل یا پی ایچ ڈی کے تھیسز سے کوئی فصل یا مبحث کو بطور مقالہ پیش کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

مقالے کے خاتمہ کے تینوں عناصرِ ترکیبی یعنی نتائج بحث، سفارشاتِ تنفیذ اور تجاویزِ تحقیقِ مزید پر پوری ذہنی صلاحیت صرف کی جائے اور یہ موضوع، مرکزی بحث اور اُس کے بنیادی سوال رسوالات سے مکمل ہم آہنگ ہوں۔

مقالہ کے آخر میں "حواشی اور حوالہ جات" یا "مصادر و مراجع" کی ایک ایک چیز مروّجہ اُصولِ تحقیق کے بالکل مطابق ہو۔

(۱۱)- نتائج بحث کے نفاذ اور اطلاق کی سفارشات:

یہ مقالہ اپنے موضوع "علوم اسلامیہ میں قابلِ اشاعت تحقیقی مقالہ کے عناصرِ ترکیبی اور تقاضے: ہائر ایجوکیشن کمیشن آف پاکستان کے منظور شدہ مجلّات کے تناظر میں ایک تنقیدی اور تعمیری مطالعہ" پر بحث کے بعد جن نتائج پر پہنچا ہے اُن کی تنفیذ کے لیے درجِ ذیل اقدامات کی سفارش کرتا ہے:

بحث کے نتائج کے عملی طور پر نفاذ کا پہلا قدم اس مقالہ کی اِشاعت اور مقالہ کے مخاطبین یعنی ناپختہ مقالہ نگاروں تک اس کا پہنچنا ہے۔

اگلا قدم یہ ہے کہ مقالہ کے مخاطبین اگر ابھی ایم فل یا پی ایچ ڈی کی ڈگری کے کورس ورک کے مرحلے میں طالب علم ہوں تو اِس مقالہ کو اُس مواد اور نصاب میں شامل کیا جائے جو انہیں کورس ورک کے طور پر پڑھایا جارہا ہے۔ مقالہ چونکہ طویل ہے اس لیے یہ دو گھنٹوں کی صرف ایک کلاس میں مکمل نہیں پڑھایا جاسکتا۔ لہٰذا حسب ضرورت چھ یا آٹھ گھنٹوں کے دورانیے پر مشتمل تین یا چار کلاسوں میں کوئی تجربہ کار اُستاد اس مقالہ کے ایک ایک عنصر پر تفصیلی روشنی ڈالے اور اُن کی توضیح وتشریح اس انداز میں کرے کہ نوآموز مُتخصص ایک تحقیقی مقالہ کے تمام عناصر ترکیبی کو مکمل جان لے اور اُسے لکھنے کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھ لے۔

اس کے بعد تیسرا قدم یہ ہے کہ نوآموز اور ناپختہ مقالہ نگار اپنی پسند اور رُجحان کے کسی منتخب موضوع پر مقالہ تیار کرے اور اُسے برائے اشاعت ارسال کرنے سے پہلے زیر نظر مقالہ کی روشنی میں ہر ایک عنصر اور اُس کے تقاضوں کا خود اچھی طرح جائزہ لے۔ پوری احتیاط سے یہ دیکھے کہ تمام مطلوبہ عناصر اپنے اپنے مقام پر اور اپنی مناسب شکل وصورت میں موجود ہیں یا نہیں۔ یعنی مقالہ نگار اپنے مقالہ کا بحیثیتِ ریفری خود جائزہ لے اور اپنے کام کو خود احتسابی کی آزمائش سے گزارے۔ اس دوران میں اگر کوئی کمی، کوتاہی یا خامی نظر آئے تو اُسے دور کرے۔

لیکچرر شعبہ تقابل ادیان، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز (اُصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

مناسب ہوگا کہ وہ اپنے مقالے کا ایک جائزہ لینے کے بعد زیر نظر مقالہ کا دوبارہ مطالعہ کرے اور اپنے مقالے کو ایک بار پھر پڑھے۔ شاید کوئی کمی یا نقص رہ گیا ہو تو اُس کی اصلاح اور تکمیل کرے۔

اپنے مقالہ کا خود تنقیدی جائزہ لینے اور اپنے طور پر مکمل اطمینان کرنے کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ مقالہ کو کسی پختہ تجربہ کار اُستاد یا سنجیدہ محقق کی نظروں سے گزارا جائے۔ اس مرحلہ پر سامنے آنے والی خامیوں پر بھی قابو پایا جائے اور اُن کی اصلاح کی جائے۔ جب یہاں بھی تسلی ہو جائے تو پھر برائے اشاعت مقالہ بھیج دیا جائے۔ ان شاء اللہ الکریم ایسا مقالہ بغیر کسی مشکل کے شائع ہو جائے گا۔

موضوع کے مزید تحقیق طلب پہلو اور کام کی تجاویز:

اِس مقالے کے سامنے زمان و مکان اور محدود اَہداف کی پابندیوں کی وجہ سے موضوع کے کئی گوشوں کو شاملِ تحقیق نہیں کیا جا سکا۔ مثلاً کسی تحقیقی مجلے میں اس مقالے کو شائع کرنے کے ہدف کو سامنے رکھا جائے تو اِس کی طوالت عام مقالات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس پر مزید کام کے لیے راقم الحروف کے پاس وقت کی کمی کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس لیے مزید تحقیقی کام کے لیے تجاویز یہ ہیں:

اس مقالے میں جن چار اساتذہ کے انٹرویو شامل کیے جا سکے ہیں اُن کا تعلق تفسیر قرآن مجید اور قانون کے شعبوں سے ہے۔ تجویز یہ ہے کہ حدیث، فقہ اسلامی، سیرت النبی، اسلامی تاریخ، دعوت و تبلیغ، اسلامی فلسفہ، تقابلِ ادیان، عربی زبان و ادب، وغیرہ میدانوں اور اُن کے ذیلی شعبوں میں تخصص رکھنے والے اساتذۂ فن کے انٹرویو لیے جائیں اور معلوم کیا جائے کہ اِن میدانوں سے متعلق موضوع پر ایک قابل اشاعت تحقیقی مقالہ کے عناصر ترکیبی اور اُن کے تقاضے کیا ہوتے ہیں؟ اور انہیں کیسے پورا کیا جا سکتا ہے؟

دوسری تجویز یہ ہے کہ زیر نظر موضوع کے بارے میں علوم اسلامیہ میں تعلیم و تحقیق کے حوالے سے مشہور تمام پاکستانی جامعات کے ایسے تمام اساتذہ کے انٹرویو جمع کیے جائیں جو علوم اسلامیہ میں لکھے جانے والے مقالات کا ریویو کرتے ہیں تاکہ موضوع کے بارے میں مختلف افکار ایک جگہ جمع ہو جائیں اور نو آموز مقالہ نگاروں کو زیادہ سے زیادہ محققین کی فکر سے استفادے کا بہتر موقع میسر آ سکے۔ (ختم شد)

(ص:۲۲/ کا بقیہ)... شاید ہی کوئی اسکول ان قباحتوں سے پاک ہو، وجہ ظاہر ہے کہ بانیان سے لے کر اساتذہ (ٹیچرس) تک سب مغربی ماحول کے پروردہ اور اسلامی قومی غیرت و حمیت سے یکسر خالی اور عاری ہوتے ہیں، ان کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے اور ان میں اقل قلیل کا مقصد مسلم بچوں کو تعلیم یافتہ بنانا بھی ہوتا ہے اور بس۔

اسلامی تہذیب، اسلامی اخلاق و اقدار اور اسلامی تشخص کو فروغ دینے کا تو ہلکا سا تصور بھی ان کے ذہن و دماغ میں نہیں ہوتا۔ اسلام کے فروغ اور دعوت و تبلیغ کا بھی کچھ خیال ہو! اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اب اسلام پسند اور مسلکِ حق سے تعلق رکھنے والا طبقہ کہاں جائے، وہ اپنے بچوں کے روشن مستقبل کے لیے کیا کرے، یہ بڑا سخت مرحلہ ہے اور یہ بڑے امتحان کی گھڑی ہے۔ آئندہ نسل کو کفر و شرک اور غیروں کی تہذیب سے بچانے کی فکر والدین پر ایک اہم فریضہ ہے جس سے عُہدہ برآ ہونے کی تدبیر ضروری ہے۔ اور جب کوئی اور صورت سامنے نہیں آتی تو وہ بھی انھیں اسکولوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔

(۴) چوتھے نمبر پر بعض اسکول وہ بھی ہیں جو دینی بنیادوں پر قائم کیے گیے ہیں، اور ان کے بانیان کا مطمح نظر اور نقطہ فکر عصری تعلیم کے ساتھ اسلامی اصول کی پابندی اور دوسرے گمراہ اسکولی نظاموں کا جواب دینا بھی ہے، اسی لیے ایسے اسکولوں میں اردو اور دینی تعلیم کا بندوبست بھی ہوتا ہے ایسے اسکولوں کی مثال تحریک دعوت اسلامی کے دار المدینہ (مدنی بچوں کا نرسری اسکول) اور سنی دعوت اسلامی کے انگلش میڈیم اسکول ہیں۔ ان دونوں سنی تحریکوں کے اسکولوں کے علاوہ بھی کچھ اسکول ہوں گے جن کا ہمیں علم نہیں۔ البتہ جناب الحاج محمد رفیق رضوی کا قائم کردہ رضا نرسری اسکول بہترین مثال ہے جہاں سی، بی، ایس، ای (CBSE) کورس کی پوری پابندی کے ساتھ اردو زبان اور قرآن پاک مع تجوید کی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے اور ساتھ ہی طلبہ کے اندر خوش عقیدگی کا جوہر پیدا کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی جاتی ہے لیکن ایسے اسکول پورے ملک میں انگلیوں پر گننے جانے کے لائق اور اقلِ قلیل تعداد میں ہیں۔ غیروں کا شکوہ کرنے میں اپنی ہی جگ ہنسائی ہے، بہتر یہی ہے کہ ہم سچے اور دین پسند مسلمان جگہ جگہ ایسے اسکول قائم کریں جس میں انگلش میڈیم کی تعلیم ہوتے ہوئے بھی عصری علوم کے ساتھ دینی تعلیم کا بندوبست ہو۔ لباس (ڈریس) ایسا رکھا جائے جس میں اسلامی خوبی پائی جاتی ہو۔ مدارس کے ذمہ دار کو بھی چاہیے کہ مدارس میں عربی کی اونچی تعلیم کے ساتھ ابتدائی (پرائمری) پر بھی خاص توجہ دیں اور کوشش کریں کہ انگلش میڈیم اسکولوں سے ان کی تعلیم کا معیار کسی طرح بھی کم نہ ہو، بعض مدارس صرف مولوی اور حفظ کی کلاس چلاتے ہیں اور محلے، گاؤں کے بچوں کو مشرک و بدعقیدہ بھیڑیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یہ ایک بڑی غفلت ہے جو دور ہونی چاہیے۔ ****

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

حالتِ حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۱) ایک عورت نے اعتکاف کی نیت کی اور اعتکاف میں نہ بیٹھ سکی تو اب کیا کرے؟

(۲) حالت حیض میں طواف وسعی کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) حرم کعبہ میں بچے کو دودھ پلانا کیسا ہے؟

(۴) نفاس ہر روز رات ہی میں آتا ہے، ایک قطرہ یا دو قطرہ آتا ہے تو کیا دن میں غسل کرکے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہے؟

الجواب

(۱) یہ عورت اعتکاف کی قضا کرے، اگر اعتکاف رمضان المبارک کے عشرہ اخیر کا تھا تو روزے رکھے اور دس دن رات اپنے گھر میں ہی کوئی کمرہ عبادت کے لیے خاص کرکے اس میں بیٹھے اور بلا ضرورت اس میں سے باہر نہ نکلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عالم گیری، ج:۱، ص:۲۱۱، کتاب الصوم)

(۲) حالت حیض میں طواف بیت اللہ حرام اور گناہ ہے، اس لیے اس سے بچے، ہاں اگر پاکی کی حالت میں طواف کر چکی ہو اور صفا کے پاس سعی کے لیے پہنچی تھی کہ حیض آگیا تو وہ چاہے تو سعی کر سکتی ہے، اور بہتر ہے کہ پاک ہونے تک انتظار کرے۔ جب پاک ہو جائے تب سعی کرے لیکن اگر اسے اندیشہ ہو کہ احرام کی پابندیاں وہ لمبے عرصے تک نہ نبھا سکے گی تو سعی کرکے احرام سے باہر ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عالم گیری، ج:۱، ص:۳۸، کتاب الطهارة، الباب السادس فی الدماء المختصة الثامن الجنایات)

(۳) نہیں، جب تک مکمل طور پر نفاس کا خون آنا بند نہ ہو جائے وہ نماز سے رکی رہے۔ مگر یہ کہ سلسلہ دراز ہو کر چالیس دن سے زیادہ ہو جائے تو اب وہ نفاس کا نہیں بیماری کا خون مانا جائے گا، اور بیماری کے خون کا حکم یہ ہے کہ وہ تازہ وضو کرکے نماز پڑھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(عالم گیری، ج:۱، ص:۳۸- ۳۷، کتاب الطهارة، الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء/ شرح وقایه ج:۱، ص:۱۳۷، کتاب الطهارة، باب الحیض)

کیا کفن کمیٹی کا جمع کیا ہوا چندہ مسجد و مدرسہ میں لگایا جاسکتا ہے؟

ہماری یہاں چند آدمیوں نے مل کر ایک کفن کمیٹی بنائی اور لوگوں سے یہ کہ کر چندہ وصول کیا کہ جمع شدہ رقم سے کفن اور اس کے لوازمات کو خریدا جائے گا اور پھر لوگوں کو مناسب دام میں بیچا جائے گا۔ اس کے لیے رسید بھی چھپوالی گئی اور تقریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپیہ جمع کیا گیا۔ چوں کہ اس کمیٹی کا انعقاد آج سے تقریباً ۱۵/ سال پہلے ہوا تھا، لہٰذا آج وہ رقم پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) تک پہنچ چکی ہے اور آگے جس قدر کفن بیچا جائے گا لا محالہ منافع بھی بڑھتے جائیں گے۔ اور جن حضرات سے چندہ لیا گیا تھا ان میں سے بعض کا نام معلوم نہیں اور بعض انتقال کر گئے، تو کیا اس رقم کو کسی کار خیر مثلاً مدرسے کی عمارت وغیرہ بنانے میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اگر اس طرح کار خیر میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو یہ رقم اس طرح بڑھتی ہی جائے گی، جیسا کہ آج تک بڑھتی چلی جا رہی ہے اور رقم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا تو کیا کوئی صورت ممکنہ ہوگی جس کی بنا پر مدرسہ کی عمارت وغیرہ بنانے یا اور کوئی کار خیر میں اس رقم کو استعمال کیا جائے۔

لیکن دل میں یہ تھا کہ کوئی لاوارث یا محتاج شخص آئے تو اس کو مفت کفن دیا جائے، تو دس پندرہ سال میں ایسے دو تین کیس آئے تو ان کو مفت دیا گیا۔

الجواب

اس رقم کو مدرسہ و مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں کہ مسجد و مدرسہ اس رقم کے مصرف نہیں۔ اس رقم کے مصرف لاوارث اور محتاج

اموات ہیں۔ انہیں پر اسے صرف کیا جائے، اگر وہاں ایسی حاجت کم پیش آتی ہے تو جہاں لاوارث اور محتاج اموات زیادہ ہوں وہاں صرف کریں۔

درِ مختار میں ہے:

ان لم یکن بیت المال معموراً او منتظماً فعلی المسلمین تکفیه فان لم یقدرو اسألو الناس له ثوبا، فان فضل شیٔ ردّ للمصدّق ان علم، والا کفن به مثله والا تصدق به، مجتبی. (در مختار فوق رد المختار، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، ج:۳، ص:۱۰۱/ ۱۰۲)

ترجمہ: اگر بیت المال ویران ہو یا بد انتظامی کا شکار ہو تو مسلمانوں پر میت کی تکفین لازم ہے۔ اگر انہیں اس کی قدرت نہ ہو تو لوگوں سے اس لیے کپڑے کا سوال کریں، اگر اس میں سے کچھ بچ جائے تو صدقہ کرنے والے کو لوٹا دیا جائے ورنہ اس جیسی کسی میت کو اس سے کفن دیا جائے اور وہ بھی نہ ہو تو اسے صدقہ کر دیا جائے۔ (مجتبیٰ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ان عرف صاحب الفضل ردّ علیه و ان لم یعرف کفن به محتاجاً آخر و ان لم یقدر علی صرفه الی الکفن یتصدق به علی الفقراء.

(باب الجنائز، الفصل الثالث فی التکفین، ص:۱۶۱، ج:اول)

ترجمہ: اگر بچے ہوئے کفن کا مالک معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو کسی دوسرے ضرورت مند کو اس سے کفن دیا جائے اور اگر کفن میں خرچ کیے جانے کی قدرت نہ ہو تو فقرا پر اسے صدقہ کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے نکاح کے لیے پہلے شوہر سے طلاق لینا ضروری

میں سنجیدہ بانو بنت لال محمد محلہ نوشہرہ، جین پور، اعظم گڑھ یو پی کی باشندہ ہوں۔ میرا نکاح ۲۸؍ جولائی ۲۰۰۸ء کو شکیل احمد بن وکیل احمد موضع محمد پور مٹھیاں تھانہ دریاپور ضلع چھپرہ بہار کے ہم راہ دو ہزار ایک سو روپے مہر غیر معجّل کے اسلامی طریقے کے مطابق ہوا تھا۔ تقریبًا ایک سال تک ہم دونوں ساتھ رہے اور اسی درمیان ایک بچی کی ولادت ہوئی اور اس سال بھر میں نہ تو ساس سسر کا سلوک میرے ساتھ ٹھیک رہا اور نہ ہی میرے شوہر کا برتاؤ میرے ساتھ ٹھیک رہا، روزانہ گالی گلوج، شراب پی کر آنے کے بعد جھگڑا فساد، پورے محلے میں شور شرابا مچانا وغیرہ۔ میرے والد اگر سمجھانے کے لیے فون کرتے تو کہا جاتا کہ اگر تم یہاں آؤ گے تو ہاتھ پیر توڑ دیں گے اور بہت ہی نازیبا کلمات زبان سے بولا جو لائقِ بیان نہیں ہیں۔ ادھر میں پریشان تھی، ادھر میرے گھر کے لوگ پریشان تھے، پھر انھوں نے اپنے قریبی تھانہ میں رپورٹ درج کرائی کہ لڑکی جلنے اور مرنے کو کہہ رہی ہے، اگر ایسا کرتی ہے تو وہ خود ذمہ دار ہوگی جس سے ان کا منشا دنیاوی قانون سے بچنا تھا۔ بہر حال میرے والد ڈر سے وہاں نہیں گئے اور میرے ماموں جان ہتھیلی پر رکھ کر میری سسرال پہنچے، لیکن ان کے پہنچنے کی خبر پاتے ہی میرے ساس سسر گھر چھوڑ کر فرار ہو گئے، میرے ماموں مجھے لے کر مائیکے آ گئے، تقریبًا ساڑھے تین سال سے والدین کی دہلیز پر ہوں۔ نہایت ہی ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوں، جب کہ میرے شوہر شکیل احمد ولد وکیل احمد نے دوسری شادی کر لی ہے اور میں ۳/۴ سالہ بچی کے ساتھ مائیکے میں بیٹھی ہوں۔ ہماری کوئی خبر گیری نہیں اور میں اس وقت جوان ہوں، انسانی زندگی کے تقاضے سے آپ بخوبی واقف ہیں، اگر میرے پائے ثبات میں لغزش آئی تو اس کی ذمہ داری والدین کے ساتھ معاشرے کے حساس افراد و علما و مفتیانِ کرام کی بھی ہوگی۔ لہٰذا آپ کی بارگاہ میں التماس ہے کہ میرے حالِ زار پر رحم کھاتے ہوئے قرآن و حدیث کے مطابق کوئی ایسا حل تلاش کریں جس سے مجھے ان ظالموں سے چھٹکارا مل جائے اور میں گناہوں سے بچ سکوں اور میرے والدین کا سکون و قرار بحال ہو جائے۔ فقط والسلام

الجواب

سنجیدہ بانو جب شکیل احمد کے نکاح میں ہے تو اس کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ حلال نہیں، جب تک کہ شکیل احمد اسے طلاق نہ دے دے، پھر عدت نہ گزر جائے۔ ارشادِ باری ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ.

حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں۔ (قرآن حکیم)

سنجیدہ کو اپنے شوہر سے شکایت ہے تو کچھ پنچ اس کی طرف سے اور کچھ اس کے شوہر کی طرف سے اکٹھا ہو کر ان کی باہمی رنجش کو دور کرنے اور اصلاح و نباہ کی کوشش کریں۔ قرآن حکیم نے اسی کی تعلیم دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ****

فکر امروز

ڈاکٹر ذاکر نائک کے نظریۂ الوہیت کا تنقیدی جائزہ

صبور احمد، لاہور

ڈاکٹر ذاکر نائک مذہبی ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے کوئی اجنبی شخصیت نہیں۔ پیس ٹی وی نامی چینل پر ان کے پروگرام باقاعدگی سے نشر ہوتے ہیں۔ موصوف میڈیکل سائنس میں سندیافتہ ہیں۔

ڈاکٹر نائک کا یہ مختصر تعارف ہم نے ان کے اپنے ادارے آئی آر ایف کی ویب سائیٹ پر موجود مواد کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اس ویب سائیٹ کے مطابق ڈاکٹر صاحب مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

1. CONCEPT OF GOD IN MAJOR RELIGIONS
2. ANSWERS TO NON MUSLIMS
3. THE QURAN AND MODERN SCIENCE

شروع میں جب ڈاکٹر ذاکر کو ٹی وی پر دیکھنے کا اتفاق ہوا تو بہت سے لوگوں کی طرح ہم بھی ان سے متاثر ہوئے اور دیگر مذاہب کے بارے میں ان کی وسیع معلومات کی ستائش کیے بغیر نہ رہ سکے۔ قدرتی طور پر دل میں یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ جو شخص غیر مذاہب کی تعلیمات پر اس قدر عبور رکھتا ہے، یقیناً اسلام (جو اس کا اپنا مذہب ہے) کے بارے میں اس کی معلومات کہیں وسیع ہوں گی (موصوف اپنے ایک خطاب میں اس بات کا دعویٰ خود بھی فرما چکے ہیں)، اور انھیں قرآن و حدیث کے کثرت کے ساتھ حوالے دیتے دیکھ کر ہمارے اس مفروضے کو مزید تقویت ملی۔

لیکن افسوس کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ موصوف کے بارے میں متنازعہ بیانات سامنے آنا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ان میں شدت بھی آتی گئی۔ تحقیق کرنے پر اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ بعض لوگ جو ان سے اختلاف کر رہے ہیں، ان کے تحفظات بالکل درست ہیں۔ بلکہ ہمیں یہ جان کر خاصی حیرت ہوئی کہ وہ ڈاکٹر نائک جو اسلام کے ایک داعی کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے تھے، وہ اب ایک مخصوص مکتبہ فکر کے انتہائی متشدد ترجمان کے طور پر سامنے آئے۔ کل تک جن کے دلائل کا ہدف غیر مذاہب کے باطل نظریات تھے، آج ان کے طعن و تشنیع کا نشانہ خود امت مسلمہ کی واضح اکثریت بن گئی۔ اگرچہ ہمیں ان کی کئی باتوں سے اختلاف ہے مگر یہاں ہم صرف ایک مسئلہ ذکر کرنا چاہیں گے۔ ہماری درخواست ہے کہ اس تحریر کو غیر جانبداری سے پڑھا جائے اور اس کے بعد اپنی آزادانہ رائے قائم کی جائے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس تحریر میں چونکہ ہماری حیثیت ایک مخالف کی ہے، اس لیے ہم غیر جانبداری کا قطعی کوئی دعویٰ نہیں کرتے، البتہ اس بات کے مدعی ضرور ہیں کہ اس معاملے میں ہمارا کوئی ذاتی مفاد یا ڈاکٹر صاحب سے کوئی ذاتی عناد ہرگز کارفرما نہیں بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ہم جس چیز کو شرعی لحاظ سے قابل گرفت سمجھیں اس کی نشاندہی پوری دیانت داری سے کر دیں۔

اب ہم اپنی اس تحریر کا محرک بیان کرتے ہوئے اس کا باقاعدہ آغاز کرتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب ہماری نظر سے گزری۔ اس کتاب کا نام ہے:

CONCEPT OF GOD IN MAJOR RELIGIONS

یہ ۲۹ رصفحات پر مشتمل ایک مختصر انگریزی تحریر ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس میں مختلف مذاہب میں خدا کے بارے میں پائے جانے والے تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ عطا تراب نامی کسی صاحب نے "مجھے ہے حکم اذاں، اہم مذاہب میں خدا کا تصور" کے نام سے کیا ہے جسے رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز نے راولپنڈی سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ اردو ترجمہ ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں اصل انگریزی کتاب کا ترجمہ صفحہ ۶۵ تک ہے جب کہ صفحہ ۶۶ سے صفحہ ۱۱۰ تک بزم سوال و جواب کا اضافہ کیا گیا ہے جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔

ہم نے اس مضمون کے آخر میں دونوں کتابوں کے ٹائٹل پیج اور متعلقہ صفحات کے عکوس شامل کر دیے ہیں۔ مزید برآں اگر کوئی اصل کتب دیکھنا چاہے تو انگریزی کتاب تھوڑی سی تلاش کے بعد مختلف ویب سائیٹس پر نہ صرف مل سکتی ہے بلکہ ڈاؤن لوڈ بھی کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اردو ترجمہ جس کا اوپر حوالہ دیا گیا وہ بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے مختلف مذاہب (بشمول اسلام) کی تعلیمات کی روشنی میں خدا کے

بارے میں نظریات کا ذکر کیا ہے۔ دیگر مذاہب کے حوالے سے جو کچھ انھوں نے لکھا، اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں، چنانچہ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم صرف خدا کے بارے میں ان کے اس نظریے کو لیں گے جسے انھوں نے اسلام کی طرف منسوب کیا ہے اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں ایسی رائے ظاہر کی ہے جس سے ہمیں سخت اختلاف ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ امت مسلمہ کے چند مستند علماے کرام کی آرا اس سلسلے میں نقل کر دیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ ہماری مصدقہ کتابوں میں صفات باری تعالیٰ کے بارے میں کیا عقائد درج ہیں۔

(۱)- شرح مقاصد میں ہے "عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے"

(۲)- امام محقق علی الاطلاق کمال الدین مسایرہ میں فرماتے ہیں "جتنی نشانیاں عیب کی ہیں جیسے جہل و کذب سب اللہ تعالیٰ پر محال ہیں۔"

(۳)- علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ اس کی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں: "یعنی کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں۔"

(۴)- امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی بات بہت صفتوں سے موصوف ہے۔ ازاں جملہ اس کا سچا ہونا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال۔

(۵)- مزید فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے۔"

(۶)- فاضل سیف الدین ابہری کی شرح مواقف میں ہے: "ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔"

(۷)- شرح عقائد جلالی میں ہے: "تمام اسباب عیب مثلاً جہل و عجز سب محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج۔"

(۸)- اللہ تعالیٰ پر حرکت و انتقال و جہل و کذب کچھ ممکن نہیں کہ یہ سب عیب ہیں اور عیب اللہ پر محال۔"

(۹)- مولانا نظام الدین سہالی شرح مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں: "جو کچھ خدا ہونے کے منافی ہے وہ سب محال عقلی ہے۔"

(۱۰)- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ تمام نقائص و عیوب سے پاک ہے۔"

(۱۱)- شرح عقائد نسفی میں ہے: "زندہ، قادر، جاننے والا، سمیع، بصیر، مشیت والا، ارادے والا ہے کیونکہ ان کے اضداد نقائص ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا بری ہونا لازم ہے۔"

(۱۲)- شرح سنوسیہ میں ہے: "اللہ تعالیٰ کے لیے سمع اور بصر کا ہونا لازم ہے۔ اس پر دلیل کتاب، سنت اور اجماع ہے، اور یہ بھی کہ اگر وہ ان سے متّصف نہ ہو تو ان کی ضد سے متّصف ہو گا اور وہ نقائص ہیں اور نقص اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔"

(۱۳)- شرح مواقف میں ہے: "ہمارے لیے معرفت صفات پر افعال اور نقائص سے تنزیہ کے ساتھ استدلال کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

(۱۴)- شرح المقاصد میں ہے: "اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و نو پیدا ہے اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفات قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے نہ کذب ممکن ہے نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے"

(۱۵)- ہدایہ میں ہے: "اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کے ساتھ ہمیشہ سے خالق ہے اور پیدا کرنا اس کی صفت ازلی ہے، اور ہمیشہ سے اپنے فعل کے ساتھ فاعل ہے، اور کرنا اس کی صفت ازلی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہے، اور فعل اسی کی صفت ازلی ہے، اور فعل سے جو مفعول ہوا (یعنی پیدا ہوا)، وہ البتہ مخلوق ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل مخلوق نہیں، اور صفات الٰہی ازل میں پیدا نہ ہوئیں اور نہ مخلوق ہوئیں، اس لیے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ صفات الٰہی مخلوق ہیں یا نئی پیدا ہو گئی ہیں، یا ان کے بارے میں توقف کرے یا ان میں شک و شبہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے"

اوپر درج کیے گئے حوالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کی ہر صفت، صفت کمال اور جملہ نقائص سے مبرہ ہے۔ کوئی نقص اس کی طرف راہ نہیں پا سکتا بلکہ وہ ہر اس چیز سے بلند و برتر ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ وہ ان تمام عیبوں سے بھی پاک ہے جو کم عقل اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ویسے تو ہمارے خیال میں ہر مسلمان فطری طور پر ان باتوں پر یقین رکھتا ہے اور اس سلسلے میں اسے کسی حوالے کی حاجت نہیں ہونی چاہیے، تاہم ہم نے اپنے موقف کی حمایت میں بطور نمونہ چند حوالے درج کر دیے تاکہ کوئی تشنگی باقی نہ رہے۔

اب ہم ڈاکٹر صاحب کی کتاب اور اس کے اردو ترجمے کے چند اقتباسات نقل کرنے کے بعد ان پر اپنا تبصرہ پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ سب ڈاکٹر صاحب نے اسلامی نظریے کے تحت تحریر کیا ہے۔ ہم یہاں ان کی تحریر کا صرف وہ حصہ لیں گے جس کا تعلق براہ راست اس بحث سے ہے۔مکمل تحریر مضمون کے آخر میں یا اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں:

God does not become a human being: Some people argue that God can do everything, then why cannot He take human form? If God wishes He can become a human being. But then He no longer remains God because qualities of God and human beings in many respects are completely incompatible .

یہی بات اردو ترجمے کے صفحہ ۴۴ اور ۴۵ پر اس طرح ہے:

خدا انسانی پیکر میں نہیں ڈھلتا

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے تو وہ انسانی پیکر میں کیوں نہیں ڈھل سکتا۔

اگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو وہ بشری پیکر میں ڈھل سکتا ہے لیکن پھر وہ خدا نہیں رہے گا کیوں کہ...."

مندرجہ بالا تحریر میں ڈاکٹر صاحب بعض لوگوں کا اعتراض ذکر کرنے کے بعد یہ بتا رہے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو وہ انسانی پیکر میں ڈھل سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا منطقی نتیجہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر اللہ انسانی پیکر میں ڈھل جائے تو پھر وہ خدا نہیں رہے گا۔ آگے چل کر مثالوں سے واضح کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا انسانی پیکر میں ڈھلنا بالکل بے معنی اور غیر معقول ہے۔

بظاہر اس تحریر سے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اللہ تعالیٰ کے انسانی پیکر میں ڈھلنے کے غلط نظریے کا بطلان فرما رہے ہیں۔ لیکن ان کی تحریر کو غور سے پڑھنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ دراصل محض وقوع کی نفی کر رہے ہیں نہ کہ امکان کی۔ جب کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ جو کچھ ممکن ہے وہ اللہ کی قدرت کے تحت ہے، اور جو کچھ تحت قدرت نہیں، وہ ممکنات میں شمار ہی نہیں ہوتا بلکہ محال کہلاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "اگر اللہ سبحانہ چاہے تو وہ بشری پیکر میں ڈھل سکتا ہے" تو ثابت ہوا کہ وہ اسے محال نہیں مانتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی نتیجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو وہ خدا نہیں رہے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا اگر خدا نہ رہے تو یہ اس کے حق میں عیب ہے یا نہیں۔ یقیناً اس سے بڑا عیب خدا کے حق میں کیا ہوگا کہ اس کی خدائی ہی جاتی رہے۔ اور ہم مستند حوالوں سے اوپر یہ ثابت کر آئے کہ عیب اللہ پر محال ہے، تو یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا انسانی پیکر میں ڈھلنا بھی محال ہے۔ لہٰذا یہ قول کہ اگر اللہ چاہے تو انسانی پیکر میں ڈھل سکتا ہے، باطل محض ہے۔

آگے چل کر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر اللہ تعالیٰ کے انسانی پیکر میں نہ ڈھلنے کے مزید دلائل دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

Moreover if God takes human form, the same human cannot later become God, since human beings, by definition, do not possess the power to become God

یہی بات اردو کتاب کے صفحہ ۴۶ پر یوں ہے:

"علاوہ ازیں اگر خدا انسانی روپ اختیار کر لے تو پھر یہی انسان خدا نہیں بن سکے گا کیونکہ انسان اپنی تعریف میں ہی ایسا موجود ہے جو خدا بننے کی قدرت نہیں رکھتا"۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر صاحب کے اس طرز استدلال کی داد کس طرح دیں۔ یعنی فرماتے ہیں کہ خدا انسان اس لیے نہیں بنتا کہ اگر معاذ اللہ ایک دفعہ انسان بننے کی غلطی کر بیٹھا تو واپس خدا کیسے بنے گا۔ لا حول ولا قوة الا باللہ.

ہمارا اعتراض پھر وہی ہے۔ اگر اس استدلال کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ انسانی پیکر میں ڈھلنا مطلقاً خدائی سے ہاتھ دھونا ہے، لہٰذا بہت بڑا عیب ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ عیب سے پاک و منزہ ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہے تو انسانی پیکر میں ڈھل سکتا ہے قطعاً غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو خود عیب ہو یا کسی عیب کا باعث بنے، اللہ تعالیٰ کو اس سے پاک ماننا ضروری ہے۔ آگے چل کر اسی صفحہ ۱۹ اور ۲۰ پر اپنے اس نظریے کی تائید میں بطور دلیل لکھتے ہیں:

God does not perform ungodly acts: The attributes of Almighty God preclude any evil since God is the fountainhead of justice, mercy and truth. God can never be thought of as doing an ungodly act. Hence we cannot imagine God telling a lie, being unjust,

making a mistake, forgetting things, and such other human failings. Similarly God can do injustice if he wants but He will never do it because being unjust is an ungodly act.

The holy Quran says:

“Allah is never unjust in the least degree”

God can be unjust if he wants, but the moment God does injustice He ceases to be God.

God does not forget nor does He make mistakes:

God will not forget anything because forgetting is an ungodly act, which reeks of human limitations and failing. Similarly, God will not make a mistake, because making mistakes is an ungodly act.

“..... my Lord never errs, nor forgets”.

God performs godly acts:

He has power over all things. The Islamic concept of God is that God has power over all things. The Holy Quran says in several places:

“For verily Allah has power over all things”

Further the glorious Quran says:

“Allah is the doer of all He intends”

We must keep in mind that Allah intends only godly acts and not ungodly acts

یہ مضمون اردو کتاب کے صفحہ ۴۶ سے ۴۸ تک بیان ہوا ہے:

خدا غیر خدائی افعال سرانجام نہیں دے سکتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پاکیزہ صفات کسی ناشائستگی اور ناروائی کی متحمل نہیں ہو سکتیں، کیوں کہ وہ ذات باری تعالیٰ عدل، رحم و کرم اور حق و صداقت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ناشائستہ فعل کا صدور اصلاً و ابداً ناقابل تصور ہے۔ لہذا ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ خدائے عزوجل جھوٹ، ناانصافی، غلطی، نسیان اور اسی طرح کی دیگر انسانی کوتاہیوں کا (معاذاللہ) مرتکب ہو البتہ خدا ناانصافی پر قادر ضرور ہے لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا سکتا۔ ہے کیوں کہ یہ اس کے شایان شان نہیں۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

"یقیناً اللہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا"۔

خدا چاہے تو ظلم کر سکتا ہے لیکن جوں ہی ظلم کرے گا خدا نہیں رہے گا۔

خدا بھولتا ہے نہ غلطی کرتا ہے۔

خدا کسی چیز کو نہیں بھولتا کیونکہ بھولنا ایک غیر خدائی فعل ہے جو انسانی عجز، کمزوریوں اور کوتاہیوں کی علامت ہے۔ علی ہذا القیاس خدائے ذوالجلال کبھی غلطی نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک غیر خدائی فعل ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے"۔

خدا اپنے شایان شان افعال انجام دیتا ہے۔

اللہ سبحان و تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسلامی تصور خدا میں خدائے ذوالجلال قادر مطلق ہے۔

قرآن میں متعدّد مقامات پر ارشاد فرماتا ہے:

"بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

قرآن مجید مزید فرماتا ہے:

"وہ جو چاہے اسے خوب انجام دینے والا ہے"۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ خدا صرف روا، زیبا اور شایان شان کاموں کا ارادہ کرتا ہے نہ کہ نازیبا اور ناروا کاموں کا۔

مندرجہ بالا اقتباسات کے بعد ہم یہاں اردو کتاب کے بزم سوال و جواب کے صفحہ ۷۰ اور ۷۱ پر موجود کچھ مواد آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

لہذا اگر خدا انسان بننا چاہے تو وہ بن سکتا ہے لیکن پھر خدا نہیں رہے گا لہذا خدا کبھی بھی انسان بننا نہیں چاہے گا۔ کیونکہ جھوٹ بولنا غیر خدائی فعل ہے اللہ سبحانہ جھوٹ بول سکتا ہے لیکن کبھی نہیں بولے جونہی وہ جھوٹ بولے گا خدا نہیں رہے گا۔

اللہ سبحانہ چاہے ظلم کر سکتا ہے لیکن کبھی نہیں کرے گا کیونکہ ظلم غیر خدائی فعل ہے جیسے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: "یقیناً اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا"۔ پس اگر وہ ظلم کرے گا تو خدائی سے معزول ہو جائے گا۔

اللہ سبحانہ چاہے تو غلطی کر سکتا ہے لیکن کبھی نہیں کرے گا کیونکہ غلطی کرنا خدائی شان کے خلاف ہے۔

ہم نے دونوں کتابوں سے جو عبارات نقل کی ہیں انہیں بار بار پڑھیے اور اچھی طرح غور کرنے کے بعد ہمارے موقف کو سامنے رکھ کر

فیصلہ کیجیے کہ کیا واقعی ڈاکٹر صاحب خدا کے بارے میں خالص اسلامی نظریہ پیش کر رہے ہیں یا اس سلسلے میں وہ بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اگرچہ ان کی تحریر پڑھنے والا اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ وہ تو غیر مذاہب میں موجود خدا کے بارے میں باطل نظریات کی نشاندہی کر رہے ہیں اور ان کی کمزوری واضح کر رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ انھوں نے خدا کا جو تصور اسلام کے حوالے سے پیش کیا ہے، کیا وہ اپنی جگہ درست ہے؟ اگر ایسا نہیں، تو انھوں نے اپنے اس فعل سے اسلام کی کیا خدمت انجام دی؟ مزید برآں، بعض حضرات اس طرح کے معاملات میں یہ موقف بھی اختیار کرتے ہیں کہ معترض نے تحریر کا بعض حصہ لے کر اپنی مرضی کا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی ہے، اور یوں غلطی پر پردہ ڈالنے کی سعی کرتے ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ ان کا یہ اعتراض تب معقول ہو گا جب تحریر کا بعض حصہ لینے اور باقی کو چھوڑ دینے سے معنی تبدیل ہو جائیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو یہ اعتراض درست نہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے جن عبارات پر اعتراض کیا ہے وہ مستقل حیثیت کی حامل ہیں اور ان کو سیاق و سباق کے ساتھ پڑھا جائے یا علیحدہ، معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اور نہ ہی ہمارا اعتراض رفع ہوتا ہے۔ ہم نے متعلقہ صفحات چونکہ مضمون کے آخر میں دے دیے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص تسلی کے لیے ان کی طرف رجوع کر کے ہمارے دعوے کی تصدیق کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی نقل شدہ تحریر کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے، خواہ وہ کام اچھا ہو یا برا۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب کے مطابق اللہ تعالیٰ (معاذاللہ) ظلم کر سکتا ہے، جھوٹ بول سکتا ہے، غلطی کر سکتا ہے، انسانی شکل میں ڈھل سکتا ہے وغیرہ۔ البتہ وہ ایسا کرتا نہیں، کیونکہ اگر وہ یہ کام کرے تو خدائی سے معزول ہو جائے گا اور خدا نہیں رہے گا۔ ایک اور وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر میں یہ سب کام غیر خدائی ہیں اور اللہ صرف خدائی کام کرتا ہے۔

دوسرا موقف ہم نے علمائے اسلام کا بیان کیا جس کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے اور اس کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت جو اس کی شان و عظمت کے لائق نہ ہو، جائز نہیں۔ اور چونکہ یہ دونوں موقف بالکل جدا ہیں، لہٰذا ان میں سے ایک یقینی طور پر غلط ہے۔

اس ضمن میں ہم ڈاکٹر صاحب کے موقف کا تنقیدی جائزہ لیں گے اور پھر علمائے اسلام کی تصریحات سے اس کا موازنہ کریں گے۔ ہم یہاں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیں گے کہ وہ کس موقف کو درست سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر میں ڈاکٹر صاحب کا خدا کے بارے میں نظریہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر قطعی طور پر باطل ہے:

پہلی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب عیوب و نقائص کو اللہ تعالیٰ کے حق میں ممکن مان رہے ہیں جبکہ اکابرین امت نے اللہ تعالیٰ کے تمام عیوب سے پاک ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر صاحب کی رائے پوری امت کے اجماع پر فوقیت رکھتی ہے، یا اس اجماعی مسئلے کے خلاف جا کر وہ غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مزید برآں، اگر محض عقلی لحاظ سے بھی سوچا جائے تو کون سا موقف زیادہ بہتر ہے؟ کیا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ، ظلم، بھول اور دوسری خامیوں کا اقرار کیا جائے، یا اسے ان تمام نقائص سے مکمل طور پر پاک سمجھا جائے۔ فیصلہ آپ خود کیجیے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے مطابق اگر خدا سے کسی ایسے فعل کا ظہور ہو جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں تو وہ خدائی سے معزول ہو جائے گا اور خدا نہیں رہے گا، لہٰذا قادر ہونے کے باوجود وہ ایسا کوئی فعل نہیں کرتا جو خدائی کے زوال کا موجب بن سکتا ہو۔ جبکہ علمائے اسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی قبیح چیز سے متصف ہی نہیں مانتے، لہٰذا ان کے نزدیک ایسا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اگر یوں ہو تو کیا ہو۔ ذرا تصور کیجیے، کیا اللہ تعالیٰ کا خدائی سے معزول ہونا ممکن ہے، خواہ اپنی مرضی سے ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی عقلمند شخص اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک لمحے کے لیے بھی خدائی سے معزول ہو سکتا ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب کے موقف کے مطابق اللہ تعالیٰ اگر انسانی پیکر میں ڈھل جائے تو خدائی سے معزول ہو جائے گا، لیکن بہر حال وہ انسانی پیکر میں ڈھلنے پر قادر ضرور ہے، تو دوسرے لفظوں میں ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ خود کو خدائی سے معزول کرنے پر قادر ہوا، کیونکہ وہ ایک ایسے عمل پر قادر ہے جس کا لازمی نتیجہ خدائی سے معزولی ہے۔ کیا خدا کا یہ تصور اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے؟ خوب اچھی طرح غور کیجیے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب ایک انوکھی اور خود ساختہ تقسیم خدائی کاموں اور غیر خدائی کاموں کی فرما رہے ہیں۔ لیکن آخر یہ تقسیم وہ کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟ اگر ان کے نزدیک جھوٹ، ظلم، نسیان اور اس کی مثل بعض دوسرے کام غیر خدائی ہیں تو انھیں اللہ تعالیٰ کو ایسے کاموں سے متصف ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان خصوصیات سے ضرور متصف ہے تو پھر یہ کام غیر خدائی کیسے ہوئے، خدائی کیوں نہ بن گئے۔ کیا یہ نظریاتی تضاد نہیں؟

اس سلسلے میں یہ وضاحت بھی درکار ہے کہ افعال کے خدائی یا غیر خدائی ہونے کا معیار کیا ہے۔ کیا ان اعمال کا وقوع ان میں حد فاصل ہے، مثلاً انسان سے ظلم وقوع پذیر ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے یہ وقوع پذیر نہیں ہوتا لہذا یہ غیر خدائی فعل ہوا (باوجود اس کے کہ اگر اللہ چاہے تو ظلم کر سکتا ہے)۔ اگر ایسا ہے تو اس پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مثلاً سننا اور دیکھنا خدائی افعال ہیں یا غیر خدائی، جبکہ اللہ تعالیٰ بھی سمیع وبصیر ہے اور انسان میں بھی سننے اور دیکھنے کی قابلیت رکھی گئی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی زندہ ہے اور انسان کو بھی اس خصوصیت سے نوازا گیا، وعلی ھذ القیاس، آپ انسان سے بہت سے ایسے افعال کا ظہور دن رات مشاہدہ کریں گے جن سے اللہ تعالیٰ کے متّصف ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ تو پھر آخر خدائی اور غیر خدائی کی یہ تقسیم کن بنیادوں پر کی جائے؟ ثابت ہوا کہ یہ استدلال سرے سے غلط اور باطل ہے۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

بنیادی طور پر ہم صفات کی تقسیم تین طرح سے کر سکتے ہیں:

پہلی قسم ان صفات کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور اس طرح خاص ہیں کہ غیر خدا میں ان کا تصور محال ہے۔ مثال کے طور پر صفت الوہیت خاصۂ خدا ہے جس میں غیر خدا کا کوئی حصہ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ قدیم ہے جب کہ تمام مخلوق حادث۔ جو شخص کسی مخلوق کے بارے میں قدامت کا نظریہ رکھے، وہ شرک کا مرتکب قرار پائے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے جس کو کبھی فنا نہیں جبکہ مخلوق کی فنا ممکن۔ یوں ہی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی ہیں جبکہ مخلوق کے لیے ایک ذرے کے برابر بھی ذاتی صفت ماننا شرک خالص۔

دوسری قسم ان صفات کی ہے جو صرف مخلوق کے لیے ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان سے متّصف ماننا جائز نہیں۔ مثلاً مخلوق، جیسا کہ اپنے نام سے ظاہر، کہ تخلیق کی گئی جبکہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے تخلیق نہیں کیا، مخلوق عاجز جب کہ اللہ کے لیے شان صمدیت ثابت، مخلوق کے حق میں اولاد باعث فخر جب کہ اللہ کے حق میں بہت بڑا عیب، مخلوق کے لیے موت واقع جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ناممکن، مخلوق سونے کی محتاج جبکہ اللہ وہ ذات جسے نہ نیند آئے نہ اونگھ۔ اسی طرح سینکڑوں مثالیں مزید پیش کی جا سکتی ہیں لیکن سمجھنے کے لیے یہ کافی ہیں۔

تیسری قسم ان اوصاف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے تو ثابت ہیں مگر اس نے اپنی حکمت و رحمت سے اپنے بندوں کو بھی ان سے حصہ عطا فرمایا ہے۔ مثلاً اس نے ہمیں زندگی عطا فرمائی، علم کی دولت سے نوازا، دیکھنے اور سننے کا ملکہ عطا فرمایا۔ حالاں کہ وہ خود اپنی شان کے مطابق ان تمام صفات سے متّصف ہے، مگر اس کی تمام صفات حقیقی اور ذاتی، جب کہ ہماری ہر صفت مجازی اور عطائی، اور ان دونوں کو آپس میں کوئی تقابلی نسبت نہیں۔

پہلی اور تیسری قسم کے بارے میں تو شاید کسی کے دل میں کوئی ابہام نہیں ہو گا، لہذا ہم دوسری قسم کی صفات کے بارے میں بحث کریں گے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اس قسم کی صفات سے اللہ تعالیٰ کو متّصف ماننا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ لیکن اس کی کیفیت کیا ہو گی؟ کیا ہم محض اس قسم کے افعال کے اللہ تعالیٰ سے وقوع کے خلاف ہیں یا مطلقاً انھیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ماننے سے ہمیں انکار ہے۔ اس سوال کا جواب تھوڑا سا تفصیل طلب ہے۔

ذرا سوچیے، کیا یہ عقیدہ رکھنا درست ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو عاجز ہو جائے، اگر چاہے تو شادی کر لے اور اپنے لیے بیٹے بیٹیاں پیدا کر لے، اگر چاہے تو اپنے اوپر موت طاری کر لے، چاہے تو دو چار گھڑی کے لیے سو جائے یا کم از کم ذرا اونگھ ہی لے، لیکن وہ یہ کام اس لیے نہیں کرتا کہ اگر ایسا کرے تو خدائی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ (یہی نہیں، بلکہ ڈاکٹر صاحب اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ خدائے ذوالجلال کو "خالق"، "پیدا کرنے والا" یا "برہما" کہ کر پکارا جائے۔ تاہم مسلمان نا صرف اس تصور کو کہ "برہما" ایسا خدا ہے کہ جس کے چار سر ہیں، کبھی بھی تسلیم نہیں کریں گے بلکہ یکسر مسترد کر دیں گے۔ مزید لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا کہ اللہ سبحانہ کو "رب"، "پروردگار" یا "وشنو" کہ کر پکارا جائے لیکن ہندوؤں کے مابین "وشنو" کا معروف تصور کچھ یوں ہے کہ اس کے چار ہاتھ ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر صاحب خدا کو اس بات پر قادر مانتے ہیں کہ اگر چاہے تو اپنے لیے چار سر یا چار ہاتھ پیدا کر لے یا نہیں؟ ان کے نظریات سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس پر ضرور قادر مانتے ہیں، کیونکہ کسی کے چار سر ہونا اس کے جھوٹا ہونے سے بڑا عیب تو نہیں۔ اور پھر جب پیکر انسانی میں ڈھلنے پر قادر مان لیا تو سروں کے متعدّد ہونے میں کیوں عاجز ہو جائے گا۔ بلاشبہ ایسی باتوں پر یقین رکھنا اور ایسا عقیدہ قائم کرنا تو کجا، ان باتوں کا محض نقل کرنا بھی ایک مسلمان کے لیے آزمائش سے کم نہیں۔ لیکن چونکہ اس کے بغیر ان کی قباحت کا کما حقہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اس لیے مجبوراً یہ سب

یہاں لکھنا پڑا۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر عیب سے پاک ہے لہذا ان تمام قبائح کو اس کی طرف کوئی راستہ نہیں اور ان کا صدور تو درکنار اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ماننا بھی منع ہے، لہذا ہم عیوب کو تحت قدرت نہیں مانتے۔ لیکن یوں نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر نہیں، بلکہ اس طرح کہ ان افعال میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعلق رکھ سکیں۔ نتیجتاً ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو قبیح کام کر سکتا ہے، لیکن کرتا نہیں، بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ قبیح افعال اور عیب اس کی قدرت سے متعلق ہی نہیں اور اس کے حق میں محال قطعی ہیں اور کسی صورت اللہ تعالیٰ سے واقع نہیں ہو سکتے۔ موازنہ نہ کیجیے کہ کون سا موقف ان میں حق پر مبنی ہے۔

یہاں بعض لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح تو بہت سے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً قدرت الٰہی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ہم عرض کریں گے کہ یہ وہم محض کم فہمی کا نتیجہ ہے۔ دراصل ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کو سمجھ ہی نہیں پاتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انسانی قدرت سے موازنہ کرنے کی بے معنی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے غلطی اور گمراہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اسی صورت میں وسعت حاصل ہوگی کہ اسے عیبی مانا جائے۔ کیا قرآن کی آیت "بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے" کا یہی تقاضہ ہے کہ اسے جھوٹ، ظلم اور دیگر قبائح پر قادر مانا جائے جنھیں یہ خود بھی غیر خدائی کام قرار دیتے ہیں۔ آئیے اس سوال کا جواب جاننے کی کوشش کریں کہ اگر ان قبائح کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے متعلق نہ مانا جائے تو کیا اس سے قدرت الٰہی میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے؟

ماضی میں اسلام کا ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقے کے لوگوں نے بہت سے مسائل میں اہل سنت سے اختلاف کیا۔ ان کا سواد اعظم سے ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خالق خود ہے، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور جو کچھ اعمال وہ کرتا ہے ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کی حیثیت محض ایک کاسب کی ہے۔ انسان اچھائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بھلائی کی تخلیق فرما دیتا ہے اور جب انسان برائی کا کسب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے برائی کو تخلیق فرما دیتا ہے۔ پس انسان اور اس کے سب اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اپنی رحمت و حکمت سے اچھائی اور برائی دونوں کو تخلیق فرمایا۔ بھلائی میں اپنی رضا رکھی اور اس کے کرنے کا حکم دیا، جبکہ برائی میں اپنی ناراضگی رکھی اور اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ اب انسان جس چیز کا کسب و ارادہ کرتا ہے اسی کی جزا پاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ انسان جب برا عمل کرتا ہے تو کس کے دیے ہوئے اختیار سے کرتا ہے؟ یقیناً اللہ اس کے برے فعل سے راضی نہیں اور اگر وہ نہ چاہے تو کس کی مجال ہے کہ ایسا عمل کر پائے۔ اسی طرح اچھے اعمال بھی اسی رحمن کی عطا کی ہوئی توفیق سے انسان سے صادر ہوتے ہیں۔ اس سے ہم یہ بات آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی شخص جو بھی عمل کرے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کیے گئے اختیار یا توفیق کی بدولت کرے گا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کو واضح کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ثبوت کے لیے ضروری نہیں کہ اسے خود بھی برائی پر عمل کرنے پر قادر مانا جائے اور اس کے برعکس عقیدہ رکھنے پر اس کی قدرت میں کمی ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان بھی پیدا فرمائے اور جنات بھی اور فرشتوں کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے تمام اعمال جو ان سے سرزد ہوتے ہیں ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شیطان جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور برائی کی علامت ہے، کیا وہ اللہ کی مخلوق نہیں؟ پھر اگر اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہ دیتا تو کیا وہ قیامت تک انسانوں کو گمراہ کرنے کا اختیار رکھ سکتا تھا؟ آج تک اس نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کرے گا کیا اپنی ذاتی طاقت سے کرے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ یہ سب کچھ اللہ کے دیے ہوئے اختیار اور مہلت کی بنا پر ہے۔ تو کیا یہ تمام حقائق اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں کہ قبائح کا اس کی ذات عظمت نشان سے بالفعل صدور ممکن مانا جائے؟

اس بات کی مزید توضیح کے لیے ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالے "دامان سبحان السبوح" کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں جو آپ نے اپنے زمانے کے بعض اسی قسم کی گمراہی میں مبتلا لوگوں کے رد میں تحریر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:

"ہم اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ عین مقدورات عبد پر بھی قادر ہے کہ وہ اسی کی قدرت کاملہ سے واقع ہوتے ہیں، اور ان کے امثال پر بھی کہ امثال عبد سے امثال فعل صادر کرا سکتا ہے، مگر ایسے امثال پر قدرت کہ خود اپنے نفس کریم سے ویسی ناپاکیاں صادر کر دکھائے، اس سے وہ پاک و متعالیٰ ہے (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں)۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ کو طلاق دینے پر قادر ہیں، مگر ایک دوسرے کی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا، تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے، لیکن حق جل مجدہ دونوں پر قادر ہے کہ ان میں جو اپنی زوجہ کو طلاق دے گا وہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہوگی، تو اللہ تعالیٰ زید و عمر ہر ایک کے عین فعل پر بھی قادر ہے اور مثل فعل پر بھی کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا۔ مگر ان (منکرین) کی ضلالت نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا بلکہ قدرت کے لیے یہ لازم سمجھا کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں خدا خود بھی اپنی جورو مقدسہ کو طلاق دے سکے۔ اس گدھے پن کی حد ہے۔ اس بے ایمانی کا ٹھکانہ ہے۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

"یہ قضیہ بیشک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس سب پر اور اس کے علاوہ نا متناہی اشیاء پر مولی عزوجل قادر ہے۔ وہ (انسان) بقدرت ظاہریہ عطائیہ اور حق تعالیٰ بقدرت حقیقیہ ذاتیہ، مگر اس حق کو یہ ناحق کوش کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا۔ انسان کا فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے۔ انسان کی قدرت ظاہریہ صرف اسی قدر ہے۔ قدرت حقیقیہ، خلق و ایجاد میں اس کا حصہ نہیں۔ وہ خاص مولی عزوجل کی قدرت ہے۔ تو اس کلمہ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ عزوجل اس کے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرت خدا، اس دل کے اندھے نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمن بھی خود اپنے لیے اس کے کسب پر قادر ہے (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں)۔ اندھے نے نہ جانا کہ کسی کا کسی شے پر قادر ہونا 'صحة الشئی من' ہے نہ کہ 'صحة الشئی علیه' اور صاف گھڑ لیا کہ جو بندے پر جاری ہو سکے خدا پر بھی جاری ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ضلالت و شیطنت بے انتہا ہے"۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس ساری تفصیل سے ڈاکٹر صاحب کے نظریات کی لغویت مکمل طور پر ظاہر ہو گئی ہوگی۔ خدا جانے انھوں نے یہ نظریات کہاں سے اخذ کر لیے۔ غالبًا انھوں نے دینی تعلیم باقاعدہ کسی مستند ادارے سے حاصل نہیں کی، بلکہ اس سلسلے میں وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور مطالعے پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں، لہذا اس سب کی ایک وجہ ان کی امت مسلمہ کے اجماعی عقائد سے لاعلمی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک اور بات کا امکان بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ کہ چونکہ ڈاکٹر صاحب کا سامنا اکثر غیر مذہب کے لوگوں سے رہتا ہے اور انھیں اس سلسلے میں مختلف مذاہب کے بارے میں کافی معلومات بھی حاصل کرنا ہوتی ہیں، جس کے لیے لازماً ان مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ تحریف شدہ بائبل، بھگوت گیتا، ہندوؤں کے مختلف وید اور اسی قسم کی کتابیں جن میں جھوٹے خداؤں کی جھوٹی صفات درج ہیں، ان کے کثرت مطالعہ کی وجہ سے ان کے ذہن میں سچے خدا کی سچی صفات بھی دھندلا گئی ہوں اور وہ اس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے نازک معاملات میں اپنی زبان اور قلم کو انتہائی احتیاط کے ساتھ استعمال میں لانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے آپ عوام الناس کی گمراہی کا سبب بن جائیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ڈاکٹر صاحب بالکل ہی کم علم شخصیت ہیں، بلکہ ہم تو اپنی اس تحریر میں ان کی غیر مذاہب پر وسیع معلومات کا برملا اظہار بھی کر چکے ہیں۔ ہم پھر اقرار کرتے ہیں کہ دیگر مذاہب پر انھیں کافی عبور حاصل ہے، اگرچہ اسلامی عقائد کے بارے میں ان کی معلومات ناقص ہیں۔ لہذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں ایسے معاملات میں بات نہیں کرنی چاہیے جن کو وہ خود اچھی طرح ابھی سمجھ نہیں پائے، بلکہ اس کے برعکس اپنی توجہ ان امور تک محدود رکھنی چاہیے جن میں انھوں نے کچھ مہارت حاصل کر لی ہے۔ بلکہ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ دوسروں کو وعظ کرنے کے بجائے وہ خود اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذات و صفات کے بارے میں علم حاصل کرنے پر توجہ دیں۔ جس شخص کا اپنا ہی ایمان داؤ پر لگا ہو وہ کسی دوسرے کو کیا دین کی دعوت دے گا؟ چوں کہ ڈاکٹر صاحب عقلی دلائل کو کافی اہمیت دیتے ہیں لہذا ہم بطور عقلی دلیل ایک ایسی مثال ان کے سامنے پیش کرتے ہیں جو ان کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہے:

فرض کیجیے ایک شخص دل کے عارضے میں مبتلا ہو جس کا علاج صرف آپریشن ہو، لیکن وہ شخص اپنے علاج کے لیے کسی ایسے معالج کی طرف رجوع کرے جو آنکھ کے امراض کا ماہر ہو، تو کیا ایسے شخص کو کوئی عقلمند کہے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص ہرگز اسے عقلمند قرار نہیں دے سکتا۔ اب ذرا تصور کیجیے کہ مذکورہ معالج بھی اس دل کے مریض کے علاج پر کمربستہ ہو جائے اور دلیل یہ دے کہ چونکہ وہ بھی سندیافتہ ہے لہذا اسے اس بات کا پورا استحقاق ہے کہ وہ کسی بھی مریض کا علاج کر سکے۔ تو آپ ایسے معالج کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔

ہماری پیش کردہ مثال میں قابل غور چیز علاج کا استحقاق نہیں، بلکہ مہارت اور قابلیت ہے۔ امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہمارا اشارہ سمجھ گئے ہوں گے، کیونکہ ہمیں اعتراض بہر حال ان کی عقل پر نہیں بلکہ اسلام کے بنیادی نظریات کے بارے میں ان کی معلومات پر ہے۔

آخر میں ہم ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض لوگ جب کسی سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کے خلاف کسی قسم کی بات سننے پر خود کو تیار نہیں کر پاتے اور اس شخصیت کو ہر خامی سے پاک تصور کرتے ہیں۔ یقیناً ڈاکٹر صاحب کے مداحوں میں بھی ایسے لوگ ضرور ہونگے جن کے نزدیک ڈاکٹر صاحب جیسی ذہین اور قابل شخصیت اتنی بڑی غلطی کا شکار ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب سے غلطی کا صدور کوئی انہونی بات نہیں جس پر یقین کرنا مشکل ہو۔ بلکہ ہم موقع کی مناسبت سے ان کی ایک غلطی آپ کے سامنے رکھے دیتے ہیں، اور اس کے لیے ہمیں دور جانے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان کی اسی کتاب سے ہم اپنی بات کو ثابت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰؍ پر نظریہ تجسیم وحلول پر بحث کرتے ہوئے اس کی مخالفت پر ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ اس تحریر کا تنقیدی جائزہ آپ کے پیش خدمت ہے:

بنیادی طور پر اس تحریر میں ایک غلط نظریہ اور اس کی توجیح کو بیان کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس غلط نظریئے کے رد میں ایک دلیل پیش کی گئی ہے۔ آیئے اب ایک ایک کر کے ان سب کا جائزہ لیتے ہیں۔

نظریہ یہ ہے کہ بعض مذاہب میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حلول یا تجسیم کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔

اس کی توجیح یہ کہ ان مذاہب کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اتنا پاک، مقدس اور ارفع و اعلی ہے کہ وہ انسانی صعوبتوں، خامیوں اور جذبات و احساسات سے ناآگاہ ہے، بنا بریں وہ انسانوں کے لیے قوانین مرتب کرنے کے لیے خود زمین پر اتر آیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اس نظریے کے غلط ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اپنے اس دعوے کے حق میں جو دلیل لائے ہیں ذرا وہ ملاحظہ کیجیے۔ مثال دے کر کہتے ہیں کہ ٹیپ ریکارڈر بکثرت بنائے جاتے ہیں لیکن کبھی کوئی ایسی تجویز سامنے نہیں آئی کہ ٹیپ ریکارڈر کی بہتری کے لیے اس کا بنانے والا خود ٹیپ ریکارڈر بن جائے، بلکہ اس کے برعکس ٹیپ ریکارڈر بنانے والا ایک رہنما کتابچہ چھاپتا ہے اور ٹیپ ریکارڈر کے ہمراہ ہمارے حوالے کر دیتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی دلیل بنفسہ تو بالکل صحیح ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس دلیل کو اس دعویٰ سے بھی کوئی تعلق ہے جس کے حق میں یہ پیش کی گئی؟ ذرا اوپر بیان کی گئی توجیح کی طرف رجوع کیجیے۔ جو لوگ تجسیم کا نظریہ رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کو انسانی صورت میں زمین پر اس لیے آنا پڑتا ہے کہ وہ انسانی جذبات اور احساسات سے واقفیت نہیں رکھتا۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب ٹیپ ریکارڈر کی مثال دے کر فرما رہے ہیں کہ اس کے بنانے والے کو اسے سمجھنے کے لیے خود ٹیپ ریکارڈر بننا نہیں پڑے گا بلکہ وہ ایک رہنما کتابچہ لکھ دے گا۔ گزارش یہ ہے کہ کتابچہ وہی لکھ سکتا ہے جو ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں جانتا ہے، جس کو اس کے بارے میں علم ہی نہیں وہ کتابچہ کیونکر لکھ سکے گا۔ جبکہ آپ خود فرما رہے ہیں کہ ٹیپ ریکارڈر بنانے والے کو اسے سمجھنے کے لیے (نہ کہ سمجھانے کے لیے) خود ٹیپ ریکارڈر بننا نہیں پڑے گا۔ مزید یہ کہ جن کو آپ دلیل دے رہے ہیں وہ بھی اپنی توجیح میں یہ کہہ رہے ہیں کہ خدا انسان کے احساسات کا علم ہی نہیں رکھتا لہٰذا اس سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے زمین پر آتا ہے۔ اب آپ کی اس دلیل سے وہ لوگ کیونکر مطمئن ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے خود ہی ایک اعتراض پیش کیا جس کی توجیح بھی بیان کی مگر اس کے رد کے لیے جو دلیل لائے وہ اس سے بالکل ہی لاتعلق ہے۔

آپ نے دیکھا کہ موصوف اپنی ہی لکھی ہوئی بات کو صحیح طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اب ایسے شخص سے کیا بعید ہے کہ وہ ان غلطیوں کا مرتکب ہو جن کا ہم نے پہلے تفصیلی بیان ذکر کیا اور جن کو ظاہر کرنے کے لیے یہ ساری تحریر عمل میں آئی۔

بہر حال، ہمیں یہاں ان کے ایک ایسے نظریے کا بطلان ظاہر کرنا تھا جس کا تعلق کسی فروعی مسئلے سے ہرگز نہیں اور نہ اسے فروعی مسائل پر قیاس کر کے نظر انداز کیا جا سکتا ہے، بلکہ یہ معاملہ الٰہیات سے متعلق ہے جس کے بارے میں ذرا سی کوتاہی ایمان کی مکمل تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری یہ دعا ہے کہ ہمیں پوری زندگی حق پر قائم رکھتے ہوئے ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ و مامون فرمائے اور ہماری اس تحریر کو پڑھنے والوں کے لیے مفید بنائے اور اس کی ممکنہ غلطیوں سے درگزر فرمائے۔ بے شک ہمارا رب ہر قسم کی غلطی سے پاک و منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں درست بات کہنے کی اور سن کر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انبیا علیہم السلام کا بعد وصال حج و عمرہ کرنے کا ثبوت

محمد عبد السبحان مصباحی

تمام صحابۂ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین اور امت کے متقدمین و متاخرین علمائے کرام و فقہائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور سرور کون و مکاں نبی معظم ﷺ اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اپنے اپنے روضۂ مبارک میں جسموں کے ساتھ زندہ، باحیات ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خورد و نوش کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور حج و عمرہ ادا کرتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

ان أبي الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ: أكثروا الصلاة علي يوم الجمعة، مشهود تشهده الملائكة. وإن أحداً يُصلي علىّ إلا عُرِضَتْ عَلَىَّ صلاته حتى يَفْرُغَ مِنها. قال: قلت: و بعد الموت؟ قال: و بعد الموت. إن الله حَرَّمَ على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. فنى الله حى يرزق. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب وقاته ودفنه ﷺ، حديث: ١٩٣٧)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیوں کہ یہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے میری بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں جب کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کے فارغ ہونے تک وہ میرے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے، حضرت ابو درداء بیان فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ!) آپ کے وصال کے بعد؟ فرمایا: وصال کے بعد بھی (یعنی میری بارگاہ میں تمہارا درود پیش ہوتا رہے گا) بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے، اللہ کے نبی زندہ ہیں رزق دیا جاتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَتَيْتُ - وَفِي رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ - عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ. (الصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسىٰ عليهِ السلام، ج:٢، ص:٢٩٨، مجلس البركات)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: میں شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، حضرت ہداب کی روایت کے مطابق سرخ ٹیلے کے پاس سے میں گرا (تو میں نے دیکھا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"الأنبياء أحياء فى قبورهم يصلون"

(مسند أبي يعلى، حديث: ٣٣٣١ و مسند البزار)

ترجمہ: انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ انبیائے کرام علیہم السلام بعد وصال حج و عمرہ بھی فرماتے ہیں تو اس کا ثبوت بھی احادیث کریمہ سے ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِوَادِي الأَزْرَقِ فَقَالَ: أَيُّ وَادٍ هَذَا؟ فَقَالُوا: هَذَا وَادِي الأَزْرَقِ. قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى - عَلَيْهِ السَّلَامُ - هَابِطًا مِنَ الثَّنِيَّةِ وَلَهُ جُؤَارٌ إِلَى اللهِ بِالتَّلْبِيَةِ. ثُمَّ أَتَى عَلَى ثَنِيَّةِ هَرْشَى. فَقَالَ: أَيُّ ثَنِيَّةٍ هَذِهِ. قَالُوا: ثَنِيَّةُ هَرْشَى قَالَ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى يُونُسَ بْنِ مَتَّى - عَلَيْهِ السَّلَامُ - عَلَى

نَاقَةٍ حَمْرَاءَ جَعْدَةٍ عَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ وَهُوَ يُلَبِّي. قَالَ ابْنُ حَنْبَلٍ فِي حَدِيثِهِ: قَالَ هُشَيْمٌ: يَعْنِي لِيفًا. (الصحيح لمسلم، کتاب الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السموات، وفرض الصلوات، ج:۱، ص:۹٤، مجلس البرکات)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ وادی ازرق کے پاس سے گزرے تو فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہ نے عرض کی: (یا رسول اللہ ﷺ!) یہ وادی ازرق ہے، پھر آپ نے فرمایا: گویا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھاٹی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ "ہرشا" نامی پہاڑ پر تشریف لائے تو پوچھا: یہ کون سی گھاٹی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہرشا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت یونس بن متّیٰ علیہ السلام کو سرخ رنگ کی گھنگریالے بالوں والی اونٹنی پر سوار دیکھ رہا ہوں، جس کی لگام کھجور کی چھال کی ہے، اور آپ اونی جبہ زیب تن کیے ہوئے تلبیہ کہہ رہے ہیں۔

اس حدیث کو امام حاکم نے اپنی کتاب "المستدرک علی الصحیحین" میں نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه"

یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔ (المستدرک علی الصحیحین مترجم، کتاب القرآن، ج:۳، ص:۲۵٤، حدیث:۳۳۱۳، شبیر برادرز، لاہور)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى مُوسَى بْنِ عِمْرَانَ فِي هَذَا الْوَادِي مُحْرِمًا بَيْنَ قِطْوَانِيَّتَيْنِ. (المعجم الكبير للطبراني، ج:۱۰، ص:۱٤۲، حدیث: ۱۰۲۵۵، دار الکتب العمیہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو اس وادی میں دو قطوانی چادروں میں حالت احرام میں دیکھ رہا ہوں۔

عن عطاء مولى أم حبيبة قال: سمعت أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: ليهبطن عيسى ابن مريم حكماً عدلاً وأماماً مقسطاً وليسلكن فجّا حاجًّا أو معتمراً أو بنيتهما وليأتين قبري حتى يسلم علي و لأردن عليه. يقول أبو هريرة: أي بني أخي! إن رأيتموه فقولوا: أبو هريرة يقرئك السلام.

هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة. (المستدرك على الصحيحين مترجم، سابقہ انبیا و مرسلین کے واقعات، ج:۳، ص:۷٤۹، حدیث: ٤۱٦۲، شبیر برادرز، لاہور)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور عادل، فیصلہ کرنے والے اور منصف امام بن کر اتریں گے اور وہ حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت سے آبلہ پائی کر کے، میری قبر پر ضرور آئیں گے، مجھے سلام کریں گے اور میں انہیں ضرور جواب دوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اگر آپ کو ان کی زیارت کی سعادت نصیب ہو تو ان سے عرض کرنا کہ ابو ہریرہ نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اسے اس سند سے نقل نہیں کیا۔

ائمہ و محدثین کی تصریحات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی بلندی درجات اور عبادت سے لطف اندوز ہونے کے لیے حج و عمرہ کرتے ہیں۔

امام نووی علیہ الرحمہ "المنهاج شرح صحيح لمسلم بن الحجاج" میں رقم طراز ہیں:

فَإِنْ قِيلَ: كَيْفَ يَحُجُّونَ وَ يُلَبُّونَ وَهُمْ أَمْوَاتٌ وَهُمْ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ وَلَيْسَتْ دَارَ عَمَلٍ؟ فَاعْلَمْ أَنَّ لِلْمَشَايِخِ وَفِيمَا ظَهَرَ لَنَا عَنْ هَذَا أَجْوِبَةٌ: أَحَدُهَا أَنَّهُمْ كَالشُّهَدَاءِ بَلْ هُمْ أَفْضَلُ مِنْهُمْ وَالشُّهَدَاءُ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ فَلَا يَبْعُدُ أَنَّ يَحُجُّوا وَ يُصَلُّوا كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ وَأَنْ يَتَقَرَّبُوا إِلَى اللهِ تَعَالَى بِمَا اسْتَطَاعُوا لِأَنَّهُمْ وَإِنْ كَانُوا قَدْ تُوُفُّوا فَهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي هِيَ

دَار الْعَمَل حَتَّى إِذَا فَنِيَتْ مُدَّتَها وَتَعقَّبَتْهَا الآخِرَة الَّتِي هِيَ دَار الْجَزَاء اِنْقَطَعَ الْعَمَل. الْوَجْه الثَّانِي أَنَّ عَمَل الآخِرَة ذِكْر وَدُعَاء قَال الله تَعَالَى: [دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانك اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَام] (الصحيح لمسلم، كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول اللهِ ﷺ إلى السموات، وفرض الصلوات، ج:١، ص:٩٤، مجلس البركات)

ترجمہ: اگر کوئی سوال کرے کہ انبیاے کرام علیہم السلام انتقال فرمانے کے بعد کیسے حج ادا کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں؟ جب کہ وہ دارِ آخرت میں ہیں اور دارِ آخرت دارالعمل نہیں بلکہ دار جزا ہے۔ تو امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: سنو! اس سوال کے مشائخ عظام اور جو مجھے ظاہر ہوا ہے چند جواب ہیں:

(۱) انبیا علیہم السلام شہدا کی طرح ہیں؛ بلکہ ان سے بھی افضل ہیں، جب شہدا اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں تو انبیاے کرام علیہم السلام کا حج ادا کرنا اور نماز پڑھنا بعید نہیں، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ انبیاے کرام اپنی حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اگرچہ وہ وفات پا چکے ہیں تاہم وہ اس دنیا میں جلوہ گر ہیں جو کہ دارالعمل ہے یہاں تک کہ جب دنیا فنا ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ آخرت آئے گی جو دار جزا ہے تو ان کا یہ عمل منقطع ہو جائے گا۔

(۲) آخرت کے اعمال ذکر و اذکار اور دعا ہیں جیسا کہ ارشاد بانی ہے:

”دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلامٌ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“

(سورہ یونس:۱۰)

ان کی دعا اس (جنت) میں ی ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں کو سراہا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا۔ (کنز الایمان)

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ رقم طراز ہیں:

إنه لم يقل أحد أن قبورهم عليهم السلام خالية عن أجسادهم وأرواحهم غير متعلقة بأجسامهم لئلا يسمعوا سلام من يسلم عليهم، وكذا ورد أن الأنبياء عليهم السلام يلبون ويحجون، دنينا ﷺ أولى بهٰذه الكرامات. (جمع الوساءل فى شرح الشمائل، ج:٢، ص:٣٠٠، مطبوعه مصر)

ترجمہ: بے شک کسی نے یہ نہیں کہا کہ انبیا علیہم السلام کی قبریں ان کے جسموں سے خالی ہیں اور ان کی ارواح کا ان کے جسموں سے کوئی تعلق نہیں اور جو کوئی ان پر سلام پیش کرتا ہے وہ اسے نہیں سنتے۔

تو ایسا ہی انبیاے کرام علیہم السلام کے بارے میں آیا ہے کہ وہ تلبیہ کہتے اور حج ادا کرتے ہیں۔ تو ہمارے نبی ﷺ کے لیے یہ کرامتیں بدرجۂ اولیٰ ثابت ہیں۔

علامہ سید یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ الربانی فرماتے ہیں:

أن الأنبياء عليهم السلام يسيرون فى الكون بأشباحهم وأرواحهم، ويحجون و يعتمرون متى أذن الله تعالىٰ لهم فى ذٰلك كما كانو أحياءً. (جواهر البحار فى فضائل النبى المختار ﷺ، ج:٢، ص:١٣٠، بركات رضا، پور بندر، گجرات)

ترجمہ: انبیاے کرام علیہم السلام اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ عالم میں سیر کرتے ہیں اور حیات ظاہری کی طرح وصال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے اذن سے حج و عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اسی کتاب میں علامہ امام نور الدین حلبی کے رسالہ: ”تعریف أهل الإيمان بأن محمداً ﷺ لايخلو منه زمان ولا مكان“ کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

والذى أراده أن جسده الشريف لايخلو منه زمان ولامكان، ولامحل ولا إمكان، ولاعرش ولا لوح، ولاكرسى ولاقلم، ولابر ولابحر، ولاسهل ولاوعر، ولا برزخ ولا قبر، كما أشرنا إليه أيضاً، وأنّه إمتلأ الكون الأعلىٰ به كإمتلاء الكون الأسفل، وكإمتلاء قبره به، فتجده مقيماً فى قبره، طائفًا حول البيت، وقائماً بين يدى ربه لأداء الخدمة. (جواهر البحار فى فضائل النبى المختار ﷺ، ج:٢، ص:١٢٣، بركات رضا، پور بندر، گجرات)

ترجمہ: میرا اذعان و اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ کے جسد اطہر

سے نہ تو زمان خالی ہے نہ مکان، نہ محل نہ امکان، نہ عرش نہ لوح، نہ کرسی نہ قلم، نہ بحر نہ بر، نہ نرم زمین نہ سخت، نہ برزخ نہ قبر، اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے کائنات کو بھر دیا ہے اعلیٰ کو بھی ادنیٰ کو بھی اور قبر کو بھی یہی وجہ ہے کہ آپ قبرانو میں رونق افروز ہیں بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور عبادت میں مصروف ہیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

”وفی الفتاوی ارملیة: الأنبیاء والشھداء والعلماء لایبلون، والأنبیاء والشھداء یأکلون فی قبورھم و یشربون،و یصلون،و یصومون، ویحجون، واختلف ھل ینکحون نساءھم، أم لا؟ و یثابون علی صلاتھم وحجھم، ولا کلفة علیھم فی ذلك، بل یتلذذون، ولیس من قبیل التکلیف، لأن التکلیف إنقطع بالموت، بل من قبیل اکرامة لھم ورفع درجاتھم بذٰلك. (شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیه،ج:۷، ص:۳۴۹، الفصل الرابع ما اختص به ﷺ من الفضائل والکرامات، دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان)

ترجمہ: علامہ زرقانی نے فرمایا کہ فتاوی رملیہ میں ہے: انبیا، شہدا، علما کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے ہیں، انبیا اور شہدا اپنی اپنی قبروں میں خوردونوش کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور حج ادا کرتے ہیں۔ اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے آیا کہ اپنی بیویوں سے نکاح کرتے ہیں یا نہیں؟ اور انہیں نماز اور حج کی ادائیگی پر ثواب دیا جاتا ہے۔ اور اس میں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ بطور تلذذ ان افعال کو کرتے ہیں (اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں) حالاں کہ وہ ان چیزوں کے مکلف ہیں؛ کیوں کہ وصال کی وجہ سے تکلیفِ عمل کا رشتہ منقطع ہو گیا ہے، بلکہ یہ ان کی کرامت اور بلندی درجات کے قبیل سے ہے۔

اور اس کتاب میں دوسرے مقام پر ہے:

”وقد ثبت أن الأنبیاء علیھم السلام یحجون و یلبون. فإن قلت: کَیْفَ یَحُجُّونَ وَ یُلَبُّونَ وَھُمْ أَمْوَات وَھُمْ فِي الدَّار الْآخِرَة وَلَیْسَتْ دَار عَمَل؟

الجواب: أَنَّھُمْ کالشھداء، بل أفضل مِنْھُمْ، والشھداء أحیاء عند ربھم یرزقون فلا یبعد أن یحجوا و یلبوا و یصلوا“. (بتفصیل سابق، ص:۲۴۵)

ترجمہ: امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ بے شک یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام حج کرتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام وفات پا چکے ہیں اور وہ اخروی گھر میں ہیں نا کہ دار عمل میں تو وہ کیسے حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا حال شہدا کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی افضل ہے جب شہدا اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں انہیں ان کے رب کے یہاں رزق دیا جاتا ہے تو اگر انبیا کرام علیہم السلام حج کریں، تلبیہ کہیں اور نماز پڑھیں تو اس میں کیا مقام عجب ہے!

رہا یہ سوال کہ اخروی گھر میں دنیوی اعمال مثلاً روزہ، نماز، حج و عمرہ وغیرہ کیوں کر وقوع پذیر ہو سکتے ہیں کیوں کہ وہ دار العمل نہیں بلکہ دار جزا ہے تو اولاً اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ سوال وارد ہوتا ہے اسی طرح شہدائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں بھی وارد ہوتا ہے۔ جب شہدائے کرام بنص قرآنی باحیات و زندہ ہیں، خوردونوش کرتے ہیں تو انبیائے کرام علیہم السلام جو ان سے کروڑہا درجے افضل ہیں، اگر وہ حج و عمرہ ادا کریں تو اس میں کون سا استحالہ و مضایقہ ہے؟

ثانیاً: انبیائے کرام علیہم السلام حج و عمرہ اس لیے نہیں ادا کرتے ہیں کہ ان پر فرض و واجب ہے؛ بلکہ ان افعال سے وہ لطف اندوز ہوتے ہیں اور انہیں ان افعال سے سرور حاصل ہوتا ہے اور حسب استطاعت قرب الٰہی کے طالب ہوتے ہیں یہ حضرات ذکر و دعا کے طور پر ان افعال کو انجام دیتے ہیں۔

احادیث مبارکہ اور ائمہ کرام محدثین عظام کے ارشادات عالیہ سے واضح ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام جس طرح دنیوی زندگی میں روزہ، نماز اور حج و عمرہ ادا کرتے تھے اسی طرح اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی رب ذو الجلال کے اذن و اختیار سے بلندیِ درجات اور عبادت سے لطف اندوز ہونے کے لیے حج و عمرہ ادا کرتے اور حسب قدرت قرب الٰہی کے طالب ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

والدین کے حقوق اور تربیتِ اولاد

محمد عبد المبین نعمانی

یہ حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں اولاد کی جانب سے جب والدین کے حقوق میں کوتاہی برتی جاتی ہے تو والدین بھی اولاد کے حقوق سے غفلت برتتے نظر آتے ہیں اور انھیں غفلتوں کی وجہ سے گھروں کے حالات تباہ کن ہوتے جارہے ہیں۔انگریزی تعلیم ،انگریزی کلچر (مغربی تہذیب) نے بھی ماحول خراب کرنے میں بڑا رول ادا کیا ہے،انگریزی اسکول نے ڈریس کے نام پر ایک تو پیسے لوٹے ہیں دوسرے غیر مہذب اور مغربی لباس کو لازم قرار دے کر معاشرے میں مغربی رنگ گھول کر رکھ دیا ہے ۔اسکول چلانے والے آج کل زیادہ تر کاروباری ذہنیت کے حامل ہیں۔لیکن پھر بھی ان میں اکثر وہ ہیں جو کسی نہ کسی کلچر کو follow کرتے ہیں۔ان کی اقسام یہ ہیں:

(۱)ایک تو خالص نصاریٰ (Christian) میں ان کا مقصد اچھی ہی تعلیم کے نام پر نصرانیت کو فروغ دینا ہے،ان کے اسکولوں میں عیسائی مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام جو اللہ کے سچے پیغمبر تھے ،جو ہمارے رسول محمد عربی ﷺ سے پہلے اور دیگر انبیا کے بعد تشریف لائے ، پیدا ہوتے ہی ان کے معجزات اور خوارق عادات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ہم مسلمان جیسے اپنے رسول ﷺ کو مانتے ہیں ویسے ہی خدا کے سارے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ان سب کا احترام کرتے ہیں، اسی لیے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں ۔ہاں اتباع صرف خدا کے آخری رسول سرکار محمد عربی ﷺ کی کرتے ہیں ۔مگر عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور معبود سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہ اپنے اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ کو بھی یہی باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں،طلبہ کے اندر حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کا تصور پیدا کرتے ہیں جو صریح کفر ہے۔طلبہ خصوصا چھوٹے بچوں کا ذہن سادہ تختی کے مانند ہوتا ہے ،بچے جب استاذ کو کوئی بات کہتے سنتے ہیں تو اس کو قبول کرلیتے ہیں ۔ اس طرح کتنے بچے عیسائی مذہب قبول کرلیتے ہیں اور اگرچہ بظاہر وہ اپنے کو مسلمان ہی سمجھتے ہوں اور ان کے گھر والے بھی انھیں مسلمان ہی جانتے ہیں۔

اچھی تعلیم کے نام پر عیسائیت کو پھیلانے کی یہ سازش پوری دنیا میں چل رہی ہے اور خود ہندوستان میں بھی،افسوس کہ ہمارا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو ترقی یافتہ سمجھتا ہے اس کفری مہم سے پوری طرح غافل ہے اور اپنی آئندہ نسل کو بآسانی تعلیم اور خوشحالی کے نام پر جہنم کی طرف ڈھکیل رہا ہے اور انجام سے بالکل بے فکر ہے۔

(۲)دوسرے وہ اسکول ہیں جو مندر کے نام سے چل رہے ہیں یا بتوں کے نام پر ان کے نام رکھے ہوئے ہیں ان اسکولوں میں بھی باضابطہ مسلمان بچوں سے مورتیوں کی پوجا کرائی جاتی ہے،ان پر مسلمان بچے بچیوں کے ہاتھوں سے ادب و احترام کے ساتھ پھول مالے چڑھوائے جاتے ہیں ،بتوں کی تعریف میں گانے گوائے جاتے ہیں ،بتوں اور مورتیوں کے سامنے ہاتھ جڑوائے جاتے ہیں،اور ایسا کرنے پر ان بچوں کو شاباشی دی جاتی ہے ،اور انعام دے کر ان کو خوش کیا جاتا ہے، گویا اس طرح نرسری اسکول کے نام پر مشرکانہ پوجا پاٹھ فروغ پارہا ہے اور مسلم بچوں کو شرک کی آگ میں دھکیلا جارہا ہے اور ان بچوں کے والدین ہیں کہ اسی میں مگن ہیں کہ ہمارا بچہ فلاں مضمون (Subject) میں اعلیٰ (Top) ہوگیا ہے، ہمارا فلاں بچہ کلاس میں ٹاپ آیا ہے، مگر افسوس کہ جہالت، غفلت، مال اور دنیا کی محبت کی وجہ سے یہ محسوس ہی نہیں کرپارہے ہیں کہ ان کا بیٹا جہنم کا بھی ٹاپر بن رہا ہے اور اپنے ساتھ اپنے والدین کو بھی وہیں لے جارہا ہے۔

(۳)تیسرے وہ اسکول ہیں جنہیں مسلمانوں میں وہ طبقہ چلا رہا ہے جو تعلیم کو کاروبار بنائے ہوئے ہے، اگر اچھی تعلیم کا مقصد بھی ساتھ میں شامل ہے تو بَسا غنیمت ہے ایسے سکولوں کی سخت ضرورت بھی ہے تاکہ مشرکانہ پوجا اور عیسائیت کے زہریلے اثرات سے ہمارے بچے بچ سکیں اور عصری تعلیمی میدان میں بھی آگے بڑھ سکیں۔لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر بلکہ سبھی خالص مغربی تہذیب اپنائے ہوئے ہیں۔ ناچ بیہودہ گانا، ٹائی اور انگریزی لباس کی وبائیں تو ان میں بھی عام ہیں...

باقی صفحہ ۶/ پر

مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ

اسلام میں شجر کاری کے فوائد

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی

خالق کائنات نے اپنی مخلوق کے لیے ہر ضرورت کی چیز پیدا فرمائی، سب کی ضروریات الگ الگ ہیں کچھ ضروریات تو تمام مخلوق کی ایک ہی طرح کی ہیں جیسے ہوا، پانی اور آکسیجن (ہوا اور پانی کا وہ جز جس پر روشنی اور زندگی موقوف ہے۔) انسان ہو یا جانور ہر جاندار کو اس کی ضرورت ہے، یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بلا آکسیجن کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، اس کے بغیر موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور یہ انمول شے اللہ رب العزت نے درختوں، پودوں میں رکھی ہے۔ یاد رہے آکسیجن درختوں اور پودوں کے سوا اور کہیں سے نہیں ملتی ہے۔ اتنے ترقی یافتہ دور میں بھی انسان کتنا نادان اور ظالم ہے کہ جو چیز اسے درختوں اور پودوں کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی اسی کو ختم کرتا جارہا ہے۔

پیڑ، پودے انسان کی اہم ضروریات میں شامل ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب سے دنیا میں انسان نے آنکھ کھولی ہے، درخت اس کی بنیادی ضروریات میں شامل رہے ہیں۔ انسان کی یہ بڑی بھول ہے کہ ہم ہر چیز کے مالک ہیں، یہ صفت صرف خالق کائنات کی ہے۔

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ۔

(القرآن، سورہ ۳۹، آیت ۶۲)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

تمام جان دار اور بے جان چیزوں کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، آسمان و زمین کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں جو اس کی ملکیت کا انکار کرتا ہے اور اپنا قبضہ جما کر کسی چیز کو بے دریغ استعمال کرتا ہے وہی نقصان اور گھاٹا اٹھاتا ہے۔

درختوں کو پیدا کرنے میں بہت ساری ضرورتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، یہ آیت ملاحظہ کریں:

ترجمہ: وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تمھارے لیے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس پانی سے تازہ اور خوشنما باغات اگائے؟ تمھارے لیے ممکن نہ تھا کہ تم ان باغات کے درخت اگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو (راہ حق سے) پرے ہٹ رہے ہیں۔

(القرآن، سورہ نمل ۲۷، آیت ۶۰)

ساری کائنات کو پیدا کرنے والا، سب کو روزی دینے والا، تمام جہان کی تدبیر کرنے والا، صرف اللہ تعالیٰ ہے، کھیتیاں، باغات، پھل، پھول، دریا، سمندر، حیوانات، خشکی، تری کے تمام جاندار اللہ نے پیدا کیے۔ آسمانوں سے پانی برسا کر اپنی مخلوق کو روزی دینے کا ذریعہ کھیتیاں، باغات سب وہی اگاتا ہے جو خوبصورت منظر ہونے کے علاوہ بہت کار آمد اور مفید ہوتے ہیں، خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ زندگی کو قائم رکھنے والے ہیں۔ انسانوں اور دوسری مخلوق کی روزی اور زندگی کی دوسری ضروریات کے لیے خالق کائنات نے کھیتاں باغات پیدا فرمائے۔ لیکن انسان ایسا جاہل اور ظالم ہے کہ اپنی بربادی کا سامان خود کر رہا ہے۔ قرآن کریم نے انسان کی اس فطرت کا ذکر کیا ہے۔

بیشک انسان اپنی جان پر بڑی زیادتی کرنے والا ہے۔

(سورہ احزاب آیت ۷۲)

بے تحاشہ جنگلوں کی کٹائی نہ صرف انسانوں کے لیے بلکہ اللہ کی دوسری مخلوق کے لیے پریشانی بڑھا رہی ہے۔

شجر کاری کے فوائد:

قرآن کریم نے شجر کاری کے ساتھ معیشت اور خوش حالی کے گہرے تعلق کا ذکر بڑے خوبصورت لفظوں میں کیا ہے۔ حسن فطرت کی رعنائیاں، دلکش مناظر جس سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل و دماغ کو قوت ملتی ہے، یہ درختوں کی ہی دین ہے۔ باغات کا ذکر فرما کر قرآن نے پیڑ پودوں کی اہمیت بتائی ہے۔ روئے زمین پر جا بجا پھیلے پیڑ پودے بنی نوع انسان کے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہیں۔ درخت نہ صرف سایہ دیتے ہیں بلکہ ماحولیاتی آلودگی کو کم کرتے ہیں، سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچاتے ہیں، زمین کے کٹاؤ کو روکتے ہیں۔

hhmhashim786@gmail.com

ماہرینِ ارضیات کا کہنا ہے کسی بھی ملک کی آبادی اور رقبے کے لحاظ سے کم از کم ۲۵٪ فیصد جنگلات کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ ماحول کی آلودگی انسانوں کے لیے بہت سے مسائل پیدا کرتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک ہندوستان میں جنگلوں کی کٹائی بہت ہو رہی ہے، اور جنگل مافیا جنگلوں کو ویران کر رہے ہیں اور اس بہتی گنگا میں نیچے سے لے کر اوپر تک سب رین کوٹ پہن کر نہا رہے ہیں، کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ انسان اپنے عیش و عشرت کے لیے قدرتی نظام کو برباد کر رہا ہے، یہ بہت بڑی بھول ہے، نظام الٰہی نے خود انسانوں کو آرام پہچانے کا بندوبست کر دیا ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ درخت جس رفتار سے کاٹے جا رہے ہیں اس کے نتائج میں آج فضا میں آکسیجن کم اور کاربن ڈائی آکسائیڈ زیادہ ہو رہی ہے۔ قدرت کا اعلیٰ نظام دیکھیے، درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ بطور خوراک استعمال کرتے ہیں اگر درخت کاٹ دیے جائیں تو ظاہر ہے کہ فضا میں اس کی مقدار زیادہ ہو جائے گی اور گلوبل وارمنگ یعنی زمینی تپش میں اضافہ ہو جائے گا اور اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ آکسیجن پیدا کرنے کے لیے قابل ذکر کوئی ٹکنالوجی موجود نہیں ہے۔ اور جو قدرتی آکسیجن موجود ہے جس کی ضرورت سب کو ہے، اسی کو بچانے کے لیے قابل قدر کوئی کام نہیں ہے، بہت لمحہ فکریہ ہے عوام حکومت پر نظریں لگائے ہوئے ہیں حکومتوں کا حال سب کو معلوم ہے۔

درختوں سے انسانوں کو بے شمار فوائد ہیں۔ پیڑ پودوں کے معاشی فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ درختوں سے حاصل ہونے والی لکڑی انسانوں کو قدم قدم پر کام آتی ہے، فرنیچر بنانے سے لے کر، جلانے تک کے کام آتی ہے، یہاں تک کہ بعد مرنے کے قبر کے استعمال میں بھی لکڑی کام آتی ہے۔ درختوں کی شاخیں پتے جانوروں کی خوراک کے کام آتے ہیں، سوکھے پتوں سے کھاد بنتی ہے، بچوں کے کھیلنے کے لیے سایہ دار جگہ کی ضرورت کے لیے درختوں کی ضرورت پڑتی ہے، درختوں سے طرح طرح کی لکڑیاں ملتی ہیں جو مختلف کاموں میں استعمال ہوتی ہیں، درختوں سے ہمیں شہد، پھل، روغنیات، اور دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں اور مختلف قسم کے ریشے، لاکھ، گوند، گندہ بروزہ، ابریشم، کاغذ یہ تمام چیزیں انھیں درختوں کی دین ہیں، شدید دھوپ میں انسانوں، جانوروں کو سایہ انھیں درختوں سے نصیب ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ہر معاشرے میں درختوں کی بہت قدر و قیمت اور ضرورت ہوتی ہے۔ احادیث طیبہ میں بھی پیڑ پودوں کی اہمیت کو بتایا گیا ہے۔ آقا ﷺ نے شجر کاری کو صدقہ جاریہ قرار دیا ہے اور دوران جنگ بھی پھل دار اور سایہ دار درختوں کو کاٹنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ ہم اور آپ ذرا غور کریں کہ ہم کس درجہ میں ہیں۔ شجر کاری کرنے والوں سے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: کہ مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی لگائے اور اس میں سے انسان، درندہ، پرندہ یا چوپایا کھائے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہو جاتا ہے۔ (مسلم، حدیث: ۲۸۱۵)

اس حدیث پاک سے شجر کاری کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شجر کاری میں بہت خیر ہے، ایک اور حدیث پاک میں اس طرح سے ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

جس کے پاس زمین ہو اسے اس زمین میں کاشتکاری کرنی چاہیے، اگر وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو اپنے کسی مسلمان بھائی کو دے دے، تاکہ وہ کاشت کاری کرے۔ (مسلم، حدیث: ۱۵۳۶)

آج کل سخت دھوپ میں شہروں میں کیا دیہاتوں میں بھی دور دور تک سایہ نظر نہیں آتا، اللہ رب العزت نے اپنی اس نعمت (سایہ) کا ذکر خاص کر فرمایا اور بطور احسان فرما رہا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ۔ الخ۔

(القرآن، سورہ ۱۶، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور اللہ نے تمھیں اپنی بنائی ہوئی چیزوں سے سائے دیئے اور تمھارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہ بنائی اور تمھارے لیے کچھ پہناوے بنائے کہ تمھیں گرمی سے بچائیں۔ (کنزالایمان)

اللہ نے اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازہ ہے، اعلان الٰہی ہے:

ترجمہ: اور اللہ نے تمھیں ہر وہ چیز عطا فرمادی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو (تو) پورا شمار نہ کر سکو گے، بیشک انسان بڑا ہی ظالم بڑا ہی ناشکر گزار ہے۔

(القرآن، سورہ ۱۴، آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ راحت و آرام والی نعمتوں کا اظہار بطور خاص فرما رہا ہے اور بندوں کو یاد دلا رہا ہے۔ سبھی جانتے ہیں درختوں سے ہی سایہ نصیب ہوتا ہے اور فرحت بخش ہوا نصیب ہوتی ہے، ایک مقام پر زیتون کے درخت کے فوائد کا ذکر قرآن کریم اس طرح فرما رہا ہے:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۔ (القرآن، سورہ مومنون ۲۳، آیت ۲۰)

ترجمہ: اور (پیدا کیا) وہ درخت جو طور سینا پہاڑ پر نکلتا ہے جو تیل نکالتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے۔

زیتون کے درخت کو مبارک درخت قرار دیا گیا۔

(سورہ نور آیت ۳۵)

گلوبل وارمنگ کے نقصانات:

موجودہ حالات میں ماحولیاتی آلودگی سے انسانوں کو سیکڑوں پریشانیاں لاحق ہیں۔ خطرناک بیماریاں جنم لے رہی ہیں کینسر، ہیپاٹائٹس، ٹی بی، کھانسی، اور سانس کی بہت سی موذی بیماریاں پھیل رہی ہیں، آلودگی کی وجوہات میں سے انڈسٹریوں سے زہریلا دھواں اور پانی کا نکلنا، بے تحاشا جنگلات کی کٹائی سے جنگلات کی کمی اور پلاسٹک بیگز کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔

گلوبل وارمنگ یعنی عالمی درجہ حرارت میں اضافہ موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور اس کے بہت سے نقصانات ہیں۔ زمینی حرارت (گرمی) زیادہ ہونے کے باعث برفانی تودے اور گلیشیر بھی تیزی سے پگھل رہے ہیں اور سب سے بڑا خطرہ اوزون لیئر کی تباہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے فضا میں ایک گیس پیدا کی ہے۔ جو زمین سے دس کیلومیٹر کی اونچائی سے شروع ہو کر پچاس کیلومیٹر تک جو حصہ ہے اس میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ایک باریک سبز رنگ کی گیس ہے جسے اوزون تہ یا لیئر کہتے ہیں یہی تہ ہے، جو زمین کو سورج کی خطرناک زہریلی شعاعوں سے محفوظ رکھتی ہے، ماحولیاتی آلودگی میں بڑھتے ہوئے اضافے سے اوزون پرت کو بہت نقصان پہنچا ہے اس سے بھی بہت بیماریاں بڑھ رہی ہیں خاص کر جلدی بیماریاں۔ اسی وجہ سے سخت گرمی بڑھ رہی ہے جس سے ان گنت مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔

اللہ رب العزت نے اس کرہ ارض میں کوئی ایسی چیز نہیں پیدا فرمائی جو انسانوں و تمام مخلوق کے فائدے و فلاح کے لیے نہ ہو، لیکن اس کے باوجود انسان رب کے بنائے ہوئے قوانین اور طریقوں میں تبدیلی کا مرتکب ہو رہا ہے جس کے چلتے موسم میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور انسانوں کو طرح طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں سیلابوں کی وجہ سے دنیا کا برا حال رہا ہے، ابھی حال ہی میں امریکہ میں شدید طوفان و بارش سے سیلاب نے زبردست تباہی مچائی تھی اور جاپان میں بھی یہی صورتِ حال پیش آئی تھی۔

رب کائنات نے اس عظیم کائنات میں ہر چیز کو ایک خاص نظام و ترتیب کے تحت بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر (بے کار) نہیں بنایا۔

(القرآن، سورہ انبیاء ۲۱، آیت ۱۶)

اگر نظام الٰہی میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے خود ہمیں اور ہمارے ماحول کو نقصان ہوگا، اور ہم دیکھ رہے ہیں بلکہ بھوگ بھی رہے ہیں، ارشاد الٰہی ہے کہ۔ ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اصلاح کرتے ہیں۔ اور جو لوگ فساد پھیلانے والے ہیں ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (القرآن)

اسلام کی پاکیزہ تعلیم انسانوں کو دین و دنیا کا سکون دیتی ہے اور دین و دنیا کی کامیابی کی بھی ضامن ہے اسلام صفائی و ستھرائی کا حکم دیتا ہے تاکہ ماحول آلودہ نہ ہو اور آب و (پانی) ہوا خراب نہ ہو تاکہ انسان صحت مند و تندرست رہے، تندرست مومن اللہ کو پسند ہے۔ (حدیث)

گلوبل وارمنگ سے جو زمینی گرمی بڑھ رہی ہے اس سے بہت سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ہم سب کو چاہیے اس پر غور کریں ہر انسان کم از کم پانچ درخت لگائے، ہر انسان اپنے حصے کا کام کرے دوسرے پر انحصار نہ کرے، اپنے لیے اور اپنے آنے والے نونہالوں (نسلوں) کے لیے کچھ تو کریں پرانے پیڑ کی کٹائی سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

دنیا میں کئی ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے، ان میں سے شجر کاری بھی ہے۔ شجر کاری ہر دور کے انسان کے لیے اہم رہی ہے اور موجودہ دور میں تو اس کی اہمیت ہزاروں گنا بڑھ گئی ہے۔ ضروری ہے کہ زیادہ سے زیادہ درخت لگائے جائیں۔ ان کی دیکھ بھال کی جائے اور آنے والی نسل کو بھی شجر کاری کے فوائد اور اہمیت سے واقف کرایا جائے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو شجر کاری کی اہمیت اور اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: احوال و آثار

مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی

یہاں سب سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک مختصر خاکہ اور صحابۂ کرام سے متعلق چند آیات پیش کی جائیں گی، پھر مشاجراتِ صحابہ اور صحابہ کی شان میں گستاخی اور دریدہ دہنی کے بارے میں اہلِ سنت کا اجماعی موقف بیان کیا جائے گا۔

نام: معاویہ بن ابی سفیان

کنیت: ابو عبد الرحمٰن

سلسلۂ نسب، عبدِ مناف پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جاملتا ہے

ولادت: مشہور تر قول کے مطابق بعثتِ رسول سے پانچ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے

قبول اسلام: ایک قول کی رو سے آپ، آپ کے والدین اور بھائی یزید فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ فتح مکہ سے پہلے عمرۂ قضا کے دن ۷ھ میں ہی مسلمان ہو گئے تھے مگر سالِ فتح تک اپنا اسلام لوگوں سے مخفی رکھا پھر فتح مکہ کے موقع پر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ میں قدم رنجہ فرمایا تو آپ نے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان فرمایا اور حضور سے ملاقات کی تو حضور نے آپ کو مرحبا کہا۔

آپ نے پانچ شادیاں کیں۔ تین بیٹے عبد الرحمن، یزید، عبد اللہ خدری اور پانچ بیٹیاں ہند، رملہ، صفیہ، امۃ رب المشارق اور عاتکہ ہوئیں۔

مسلمان ہونے کے بعد پورا خاندان مدینہ منورہ منتقل ہو گیا۔

یہاں حضور نے حضرت معاویہ اور حُتات بن یزید مُجاشعی کے درمیان رشتۂ مواخات قائم فرمایا۔

آپ صحابیِ رسول، کاتبِ وحی، اہلِ ایمان کے ماموں، فقیہ، مجتہد، اسلام کے چھٹے خلیفہ اور بلادِ شام میں اموی مملکت کے بانی و خلیفۂ اول تھے۔ زہد و تقویٰ اور حسنِ عبادت کے خوگر، سنت نبوی پر کاربند، شبہات و معاصی سے سخت گریزاں، نہایت گریہ کناں اور حدودِ الٰہیہ کے بڑے پابند تھے۔ بڑے سخی و کریم تھے۔ خاص طور سے اہلِ بیت اور صحابۂ کرام پر کچھ زیادہ ہی فیاض تھے۔

ایک بار ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجا جسے انہوں نے شام ہونے تک حاجت مندوں میں تقسیم فرمادیا۔ حضرت علی بن حسن کو تین لاکھ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کو ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا مگر خود پیوند لگے ہوئے کپڑے زیب تن فرماتے۔

ابو حملہ کہتے ہیں:

رأيت معاوية على المنبر بدمشق يخطب الناس وعليه ثوب مرقوع.

"میں نے معاویہ کو پیوند لگا ہوا کپڑا پہن کر دمشق میں منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا"۔

روایت حدیث: حضرت امیر معاویہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اپنی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی اور آپ سے حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت جریر بن عبد اللہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت عبد اللہ بن زبیر، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے تابعین نے احادیث روایت کیں صحیحین اور دیگر کتبِ سنن و مسانید میں آپ سے کثیر احادیث مروی ہیں۔

خلافت: ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد جب حضرت معاویہ اور حضرت حسن بن علی کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا اور اس معاہدے کے رو سے حضرت حسن اپنی خلافت

استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو

سے دست بردار ہوگئے تو حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور خود حضراتِ حسنین نے بھی بیعت کی۔

جہاد: غزوۂ حنین محاصرۂ طائف اور غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کی معیّت میں شریک ہوئے۔

جب حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے حضرت معاویہ کو اس لشکر کی قیادت تفویض کی جو بلاد شام میں خیمہ زن ان کے بھائی امیر لشکر حضرت یزید بن ابی سفیان کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس طرح حضرت معاویہ صیداء، عرقہ، جبیل اور بیروت نامی شہروں کی فتح میں سرفہرست رہے۔ اور اپنے بھائی یزید کے زیرِ قیادت یرموک اور دمشق کی فتح میں بھی شریک رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ کو ان کے بھائی یزید نے ان کی قیادت میں ایک فوجی مہم شام کے ساحلی علاقوں میں بھیجا جس کو حضرت معاویہ نے فتح کیا۔

۱۵ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کو قیساریہ کا والی و امیر مقرر فرمایا۔ آپ نے وہاں جاکر اس کا محاصرہ کرلیا اور کئی بار کی شدید لڑائیوں کے بعد اسے فتح کرلیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ کے مسلسل اصرار پر جب حضرت عثمان نے انہیں ایک جنگی بحری بیڑہ قائم کرنے کی اجازت دی تو بلادِ شام کے ساحلی علاقوں میں آباد شہروں عکا، صور اور طرابلس میں بحری جنگی جہاز تیار کیے گئے اور پہلی بار ۲۷ھ میں حضرت معاویہ نے بحری راستے سے جزیرۂ قبرص پر حملہ کیا۔ یہاں کے لوگوں نے ہر سال سات ہزار دینار ادا کرنے کی شرط پر مسلمانوں سے مصالحت کرلی۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے عہد شکنی کی تو ان کی سرکوبی کے لیے بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک عسکری مہم روانہ کی۔ یہ لوگ فتح کے بعد یہیں مقیم ہوگئے اور انہوں نے یہاں مساجد قائم کیں۔ اس کے علاوہ دیگر اندرونی شورشوں اور مفتوحہ علاقوں میں ہونے والی بغاوتوں کا قلع قمع کیا۔ آپ کے دور میں سندھ، ترکستان اور شمالی افریقہ کی فتوحات ہوئیں، روڈس اور ارواڈ فتح ہوئے۔ رومیوں سے سخت معرکے ہوئے۔ آخر کار وہ اپنی بیس سالہ خلافت اور بیس سالہ امارت میں فروغ اسلام کے لیے زبردست کارنامے انجام دیتے ہوئے رجب ۶۰ھ میں دمشق میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۱)

فضائل حضرت معاویہ قرآن کی روشنی میں:

(۱) ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ (توبہ ۲۶/۹)

"پھر اللہ نے شکست کے بعد اپنے رسول اور ایمان والوں پر اطمینان اور بے خوفی نازل کر دی اور فرشتوں کے لشکر اتار دیے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب سے دوچار کیا اور کافروں کا یہی بدلہ ہے"۔

اس آیت میں غزوۂ حنین کا بیان ہے جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شریک تھے اور ان ایمان والوں میں شامل تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ اپنا سکینہ نازل فرمایا تھا۔

(۲) فرمانِ الٰہی ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ (حدید ۱۰/۵۷)

"تم میں جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اپنا مال خرچ کیا اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔ جنہوں نے فتح سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا وہ ان سے زیادہ بڑے مرتبہ پر فائز ہیں جنہوں نے فتح کے بعد اپنا مال خرچ کیا اور حق کی سربلندی کے لیے جہاد کیا۔ ان میں سے ہر ایک گروہ سے اللہ نے سب سے اچھے ثواب (جنت) کا وعدہ فرمالیا ہے اور اللہ تمہارے تمام اعمال سے بہت باخبر ہے"۔

اگر ہم حضرت معاویہ کے فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہونے کا قول ہی راجح قرار دیں تو بھی وہ غزوۂ حنین، غزوۂ طائف اور غزوۂ تبوک میں اپنا مال خرچ کرنے اور حضور کی معیت میں جہاد کرنے کے سبب اللہ کے وعدۂ جنت کے مستحق ہیں۔ اور ان پر یہ ارشاد ربانی پوری طرح منطبق ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

"بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ وہ اس کی بھنک (ہلکی سی آواز بھی) نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ (انبیاء ۲/۱۰۱،۱۰۲)

(۳) ارشاد خداوندی ہے:

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ (توبہ ۹/۱۰۰)

"اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے"۔

تفسیر رازی میں ہے:

کثیر مفسرین نے کہا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور مدح تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عام ہے، کیوں کہ باقی مسلمانوں کی نسبت سے تمام صحابۂ کرام سابقین اولین ہیں۔ اور والذین اتبعوھم باحسان سے مراد صحابۂ کرام کے بعد وہ تمام مسلمان ہیں جو ان کے نیک کاموں میں ان کی اقتدا کریں گے اور ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں اور لغزشوں میں ان کی پیروی کرنے سے گریز کریں گے۔ یا یہ مراد ہے کہ ان کی شان میں کوئی گستاخی یا بری بات نہ کریں گے اور ان کے کسی اقدام پر انہیں ہدف طعن و تشنیع نہ بنائیں گے۔

(ج:۱۶، ص:۱۲۹، مکتبہ شاملہ، بیروت)

تفسیر خازن میں ہے:

ارشاد ربانی "رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ" سے مراد ہے: "اللہ ان کے اعمال سے راضی اور وہ اپنے اعمال پر اس کے عطا فرمودہ ثواب سے راضی۔ یہ لفظ عام ہے جس میں تمام صحابہ داخل ہیں"۔

(تفسیر خازن، سورۂ توبہ (۹) آیت:۱۰۰، جزء ثانی، ص:۴۰۰، مکتبہ شاملہ)

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ سابقین اولین کے زمرہ میں داخل ہیں اور بہر حال وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی ہے اور ان کے لیے اللہ نے ایسی جنتیں تیار کر دی ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فضائل حضرت معاویہ احادیث کی روشنی میں:

مسند احمد میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ.

"اے اللہ! معاویہ کو کتابت اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

(تاریخ الخلفاء، معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ص:۱۵۵)

ترمذی میں صحابی رسول حضرت عبد الرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ کے بارے میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِبِهِ.

"اے اللہ! معایہ کو لوگوں کا رہنما بنا، اسے ہدایت یافتہ کر اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت دے"۔

(سنن ترمذی جلد:۶، ص:۱۵۷، حدیث نمبر:۳۸۴۲)

نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَكْرِمُوا أَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُونَهُمْ.

"میرے اصحاب کی تعظیم کرو اس لیے کہ وہ سب سے بہتر ہیں، پھر ان کی عزت کرو جو ان اصحاب کے بعد ہوں گے اور پھر ان کا اکرام کرو جو اصحاب کے بعد والوں کے بعد ہوں گے"۔

(مشکاۃ، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثانی ص:۵۵۴)

ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللهُ اللهُ فِي أَصْحَابِي أَللهُ اللهُ فِي أَصْحَابِي لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُم فَبِحُبِّيْ

أَحَبَّهُمْ وَمَن أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي. أَبْغَضَهُم وَمَنْ آذَاهُم فَقَدْ آذانِي وَمَنْ آذانِي فَقَدْ آذَى الله وَمَنْ آذَى الله فَيُوشِكُ أَن يَّأْخُذَه.

"میرے اصحاب کے حق میں اللہ سے ڈرو۔ میرے اصحاب کے حق میں اللہ سے ڈرو۔ تم میرے بعد انھیں اپنی بدکلامی کا نشانہ نہ بنانا توجس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھنے کے سبب ہی ان سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی رکھنے کے سبب ہی ان سے دشمنی کی اور جس نے انھیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو قریب ہے کہ وہ اسے سزا دے"۔

ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ کے لیے دعاے خیر فرمائی، ان کی تعظیم اور ان کا ذکر خیر کرنے کا حکم دیا، ان کی شان میں بدزبانی وگستاخی کرنے سے روکا، انہیں غیر صحابہ سے افضل و بہتر قرار دیا، اپنی ذات سے محبت کو ان سے محبت اور اپنی ذات سے دشمنی کو ان سے دشمنی کا سبب قرار دیا۔ ان کو اذیت دینا اپنی ذات کو اذیت دینا اور اپنی ذات کو اذیت دینا اللہ کو اذیت دینا ٹھہرایا اور اس پر جلد اللہ کی گرفت کی وعید سنائی۔

اب میں ذیل میں غوثِ صمدانی، محبوب سبحانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب مستطاب "الغنية لطالبي طريق الحق عز و جل" کے دو اقتباسات کا اردو ترجمہ درج کر رہا ہوں جن میں غوث پاک نے حضرات علی، طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشاجرات کے متعلق اہل سنت وجماعت کے موقف کی بھر پور تائید کی ہے اور احادیث کریمہ سے صحابۂ کرام کی فضیلت کا اثبات کیا ہے اور ان کی شان میں گستاخی سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے۔ منصب خلافت سے حضرت حسن کی دستبرداری کو مبنی بر حکمت اور فرمان رسول کی تصدیق قرار دیا ہے اور ہمیں اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

سرکار غوثِ پاک فرماتے ہیں:

"اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابۂ کرام کے باہمی نزاعی معاملات میں پڑنے سے گریز کرنا، ان کی خامیوں اور کمیوں کے بیان سے اجتناب کرنا، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کو اجاگر کرنا، حضرات علی، طلحہ، زبیر، عائشہ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات پر ان کا معاملہ اللہ عزوجل پر چھوڑ دینا اور ان میں ہر فضل وکمال والے کے فضل وکمال کا پاس ولحاظ کرنا واجب ہے چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گذرے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے:

"وہ ایک جماعت ہے جو گذر گئی وہ اپنے نیک اعمال کا اچھا بدلہ پائے گی اور تم اپنی نیکیوں کا اچھا بدلہ پاؤ گے اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے بارے میں بدکلامی سے بچو، دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: میرے اصحاب کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے خود کو دور رکھو کیوں کہ اگر تم میں کوئی کوہِ احد کے برابر سونا راہ مولیٰ میں خرچ کر دے تو وہ کسی صحابی کے ایک مد کے برابر تو کیا آدھے مد کے برابر بھی نہ پہنچے گا۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

بھلائی ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا اور فرمایا: میرے صحابہ کو گالی نہ دو کیوں کہ جس نے انہیں گالی دی اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

اللہ نے میرا انتخاب فرمایا اور میرے اصحاب کو منتخب فرما کر انہیں میرا معاون ومددگار بنایا اور ان میں میرے داماد وخسر بنائے۔

آخری زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ان پر عیب لگائیں گے۔ خبردار! ایسے لوگوں کے ساتھ نہ کچھ کھاؤ پیو، نہ ان سے رشتۂ نکاح قائم کرو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو اور نہ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہو۔ ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

حضرت ابن عمر نے اپنی روایت میں کہا کہ حضور نے فرمایا:

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اس لیے تم میرے جس صحابی کے قول پر بھی عمل کرلو گے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

ابن بریدہ اپنے والدگرامی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرا جو صحابی زمین کے جس حصہ میں وفات پائے گا قیامت کے دن اسے اس حصۂ زمین کے رہنے والوں کی شفاعت کا اختیار دیا جائے گا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م:۱۹۸ھ) نے کہا:

جس نے اصحاب رسول کی شان میں کوئی نازیبا کلمہ کہا وہ بدعتی ہے۔"(۲)

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "غنیۃ الطالبین" کے دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

حضرت امام احمد بن حنبل نے واشگاف انداز میں فرمایا:

حضرات طلحہ، زبیر، عائشہ، معاویہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان ہونے والی جنگوں کے متعلق رائے زنی سے گریز کیا جائے اور ان لوگوں کے تمام باہمی نزاعی معاملات، نفرتوں اور خصومتوں میں سکوت اختیار کیا جائے کیوں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے یہ ساری باتیں نکال دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم ان کے دلوں سے سارے کینے نکال دیں گے اور وہ آپس میں بھائی بھائی اور باہم شیر و شکر ہو کر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے"۔

سکوت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر چہ ان حضرات سے ہونے والی اپنی جنگوں میں حق پر تھے کیوں کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ان کی امامت و خلافت پر ارباب بست و کشاد صحابۂ کرام کے اتفاق کی بنا پر انہیں اپنی امامت کے درست ہونے کا یقین تھا اس لیے جو شخص اب بھی اسے تسلیم نہ کرے وہ امام کا باغی اور سرکش ہوگا اور ان کا اس سے جنگ کرنا جائز ہوگا مگر دوسری طرف ان سے آمادۂ پیکار معاویہ، طلحہ اور زبیر خلیفۂ برحق، شہید ظلم و جفا حضرت عثمان کے خون ناحق کا انتقام طلب کر رہے تھے اور قاتلین عثمان حضرت علی کے لشکر میں موجود تھے اس لیے ہر ایک نے اپنی تاویل حسن اختیار کی لہٰذا ہمارا بہتر موقف یہی ہے کہ ہم اس سلسلہ میں لب کشائی سے باز رہیں، انہیں اللہ عزوجل کے حوالے کر دیں جو سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا اور حق و باطل کے درمیان بہتر امتیاز کرنے والا ہے۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں:

اپنی برائیوں کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوں، اپنے دلوں کو بڑے بڑے گناہوں کی آلائشوں سے پاک کریں اور اپنے ظاہر کو اللہ کی بڑی بڑی نافرمانیوں سے دور رکھیں۔

حضرت علی کی وفات کے بعد اور حضرت حسن بن علی کے اپنی خلافت سے دستبردار ہو جانے اور اپنی ذاتی رائے اور مصلحت عامہ کے پیش نظر اسے حضرت امیر معاویہ کے حوالہ کر دینے کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت بھی صحیح و ثابت ہو گئی۔ خلافت کی اس حوالگی میں کار فرما مصلحت تھی: خون مسلم کی حفاظت اور حضرت حسن کا اپنے بارے میں وارد حضور کے اس ارشاد کو حقیقت کا روپ دینا کہ میرا یہ فرزند سید (سردار) ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح فرمائے گا۔ یوں حضرت امام حسن کے حضرت امیر معاویہ کو منصب خلافت عطا فرما دینے کے سبب حضرت معاویہ کی امامت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ اور چوں کہ حضرت حسن کے اس اقدام سے تمام مسلمانوں کے درمیان سے عداوت و اختلاف دور ہو گیا، ہر ایک نے حضرت معاویہ کی اتباع کر لی اور کوئی تیسرا نزاع و اختلاف کرنے والا نہ رہا، اس لیے اس سال کو "عام الجماعۃ" یعنی سال اجتماع و اتفاق کا نام دیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ کی خلافت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی اس ارشاد میں مذکور ہے: "دین اسلام کی قوت و شوکت پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سالوں تک قائم رہے گی"۔

اس حدیث میں تیس سے اوپر کے پانچ سال حضرت معاویہ کی پورے انیس سال چند ماہ کی خلافت سے متعلق ہیں، کیوں کہ حضرت علی پر تیس سال مکمل ہو گئے"۔(۳)

حضرت نور العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان علوم ظاہر و باطن میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے فارسی زبان میں تصوف پر ایک کتاب "سراج العوارف فی الوصایا والمعارف" کے نام سے لکھی۔ اس کے عقائد اہل سنت و جماعت پر مشتمل لمعۂ دوم کے چھبیسویں نور میں انہوں نے حضرت سیدنا امیر

معاویہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوے ظن رکھنے کو کھلا ہوا رفض قرار دیا ہے۔ پھر جنگ جمل وصفین اور صحابۂ کرام سے متعلق اہل سنت وجماعت کے موقف کی تائید فرمائی ہے۔

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ خاتمۃ المحققین علامہ سید محمد امین معروف بابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے اجماعی موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے صحابۂ کرام کی افضلیت، پوری امت پر ان کے عظیم ترین احسان، ان کی تعظیم واحترام کے وجوب اور ان کی عیب جوئی ودشنام طرازی کی حرمت کا بیان کرنے کے بعد ان کے ساتھ دشنام طرازی وعیب جوئی کرنے والے سے متعلق جو احکام شرع ذکر فرمائے ہیں، ہم انہیں ذیل میں لکھتے ہیں:

”نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ان کے اصحاب ہیں جنہوں نے ان کی مدد کی اور ان کی رضا وخوشنودی میں اپنی جانیں نچھاور کیں۔ کوئی ایسا صاحبِ ایمان مرد یا عورت نہیں جس کی گردن میں ان کے عظیم ترین احسان کا قلادہ نہ ہو، اس لیے ہم پر ان کی تعظیم واحترام واجب اور انہیں گالی دینا اور ان کی عیب جوئی کرنا حرام ہے۔

ہم ان کے مابین ہونے والی لڑائیوں کے بارے میں سکوت اختیار کریں گے کیوں کہ یہ ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھیں۔ یہی اہل حق اہلِ سنت کا مذہب ہے جو صحابہ تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے عبارت ہے۔

جو اس راہِ اعتدال سے ہٹ جائے وہ گمراہ، بدعتی یا کافر ہے“۔[5]

”جو کسی صحابی کو گالی دے وہ باجماعِ اہل سنت، فاسق اور بدعتی ہے اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ صحابی کو گالی دینا اور اسے برا کہنا مباح ہے یا اس پر ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ بعض شیعہ کا یہی مذہب ہے۔ یا وہ صحابہ کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ باجماعِ اہل سنت کافر ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی صحابی کو گالی دے تو دیکھا جائے گا کہ مذکورہ کفری باتوں پر اس کے ساتھ کچھ ایسے قرائن حال پائے جا رہے ہیں جو اس کے یہ کفریات مراد لینے پر دلالت کرتے ہیں تو وہ کافر ورنہ فاسق ہو جائے گا۔ ہمارے علما کے نزدیک بطور سیاست اور اصلاح فساد کے لیے فاسق کو قتل کر دیا جائے گا تاکہ ایسے لوگوں کے شر وفساد سے عام مسلمان محفوظ رہیں“۔[6]

(جاری)

حوالہ جات

(۱)- معاوية بن أبي سفيان (وکی پیڈیا)
اِصابه، أُسد الغابة، تاريخ الخلفاء وغيره.

(۲)- "واتفق اهل السنة على وجوب الكف عما شجر بينهم، والإمساك عن مساويهم،و إظهار فضائلهم ومحاسنهم، وتسليم أمرهم إلى الله عزوجل على ما كان وجرى من اختلاف على وطلحة والزبير وعائشة و معاوية رضي الله عنهم على ما قد منا بيانه وإعطائهم كل ذى فضل فضله كما قال الله عزوجل: وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ. (الحشر: ۱۰) وقال تعالىٰ: تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (البقرة: ۱۳٤) وقال ﷺ: إذا ذكر أصحابى فأمسكوا (الطبرانى ۲/ ۹۳) وفى لفظ آخر: إياكم وما شجر بين أصحابى فلو أنفق أحدكم مثل أحد ذهبا ما بلغ مُد أحدهم ولا نصيفه. (بخارى، ۵/ ۱۰، مسلم: فى الصحابة ۲۲۱،أبو داؤد، ٤٦٥٨، ترمذى: ۳۸۱٦، ابن ماجه: ۱٦۱) وقال ﷺ: طوبىٰ لمن رآنى ومن رأى من رآنى (أحمد ۳/ ۷۱) وقال ﷺ: لا تسبوا أصحابى فمن سبهم فعليه لعنة الله (ابن عدى ۳/ ۱۰۹۳، كنز العمال، ۳۲۵٤۵) وقال فى رواية أنس: إن الله عزوجل اختارنى و اختارلى أصحابى فجعلهم أنصارى وجعلهم أصهارى، وإنه يجئ فى آخر الزمان قوم ينقصونهم ألا فلا تواكلوهم، ألا تشاربوهم، ألا فلا تصلوا معهم، ألا فلا تصلوا عليهم، عليهم حلت اللعنة. (ابن ابى عاصم ۲/ ٤۸۳، حليه: ۲/ ۱۱، خطيب: ۲/ ۹۹، حاكم، ۳/ ٦۳۲) و روى ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إنما أصحابى مثل النجوم فأيهم أخذتم بقوله اهتديتم. (جامع بيان العلم، ۲/ ۹۰) وعن ابن بريدة عن أبيه رضى الله عنه قال: إن النبى

ﷺ قال: من مات من أصحابی بأرض جعل شفيعا لأهل تلك الأرض. (كنز العمال: ٣٢٥١٥) وقال سفيان بن عيينة رحمه الله: من نطق فی أصحاب رسول الله ﷺ بكلمة فهو صاحب هوی." (الغنية لطالب طريق الحق عزوجل، ص:١٦٣، ١٦٤)

(٣)- "وأما قتاله رضی الله عنه بطلحة والزبير و عائشة و معاوية فقد نص الإمام أحمد رحمه الله، علی الإمساك عن ذلك وجميع ما شجر بينهم من منازعة و منافرة و خصومة لأن الله تعالیٰ يزيل ذلك من بينهم يوم القيٰمة كما قال عزوجل: وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ. (الحجر: ٤٧) ولأن عليا رضي الله عنه كان علی الحق فی قتالهم لأنه كان يعتقد صحة إمامته علیٰ ما بينا من اتفاق أهل الحل والعقد من الصحابة علیٰ إمامته و خلافته فمن خرج عن ذلك بعد وناصبه حربا كان باغيا خارجا علی الإمام فجاز قتاله، ومن قاتله من معاوية و طلحة و الزبير طلبوا ثأر عثمان خليفة الحق المقتول ظلما والذين قتلوه كانوا فی عسكر علی رضی الله عنه، فكلٌّ ذهب إلیٰ تأويل صحيح فأحسن أحوالنا الإمساك فی ذلك وردهم إلی الله عزوجل وهو أحكم الحاكمين، و خير الفاصلين والإشتغال بعيوب انفسنا وتطهير قلوبنا من أمهات الذنوب وظواهر نامن موبقات الأمور.

وأما خلافة معاوية بن أبی سفيان فثابتة صحيحة بعد موت علی رضی الله عنه وبعد خلع الحسن بن علی رضی الله عنهما نفسه عن الخلافة وتسليمها إلی معاوية لرأی رآه الحسن ومصلحة عامة تحققت له: وهی حقن دماء المسلمين و تحقيق قول النبی ﷺ فی الحسن رضی الله عنه: إن ابنی هذا سيد يصلح الله تعالیٰ به بين فئتين عظيمتين من المسلمين. (بخاری: ٣/ ٢٤٤، احمد:٥/ ٣٨) فوجبت إمامته بعقد الحسن له فسمی عامه عام الجماعة لارتفاع الخلاف بين الجميع واتباع الكل لمعاوية رضی الله عنه لأنه لم يكن هناك منازع ثالث فی الخلافة، و خلافته مذكورة فی قول النبی ﷺ، وهو ما روی عن النبی ﷺ أنه قال: تدور رحی الإسلام خمسا و ثلاثين سنة أوستا و ثلاثين أو سبعا و ثلاثين، والمراد بالرحی فی هذا الحديث: القوة فی الدين، والخمس السنين الفاضلة من الثلاثين فهی من جملة خلافة معاوية إلی تمام تسع عشرة سنةً وشهور لأن الثلاثين كملت بعلی رضی الله عنه كما بينا. (الغنية لطالب، طريق الحق عزوجل، ص:١٦١، ١٦٢)

(٤)- سراج العوارف فی الوصايا والمعارف، ص:٦١.

(٥)- "إن أفضل الأمة بعد نبيها ﷺ أصحابه الذين نصروه وبذلوا مهجهم فی مرضاته وليس من مؤمن ولا مؤمنة إلا ولهم فی عنقه أعظم منة فيجب علينا تعظيمهم واحترامهم ويحرم سلمهم والطعن فيهم ونسكت عما جری بينهم من الحروب فإنه كان عن اجتهاد، هذا كله مذهب أهل الحق وهم أهل السنة والجماعة وهم الصحابة والتابعون والأئمة المجتهدون و من خرج عن هذا الطريق فهو ضالٌّ مبتدع أو كافر. (تنبيه الولاة والحكام علیٰ أحكام شاتم خير الأنام أو أحد أصحابه الكرام (عليه وعليهم الصلوٰة والسلام) مجموعۂ رسائل ابن عابدين، ص:٣٣٥)

(٦)- وأما من سب أحدا من الصحابة فهو فاسق مبتدع بالإجماع إلا إذا اعتقد أنه مباح أو يرتب عليه الثواب كما عليه بعض الشيعة أو اعتقد كفر الصحابة فإنه كافر بالإجماع فإذا سبَّ أحد منهم فينظر فإن كان معه قرائن حالية علیٰ، ما تقدم من الكفريات فكافر وإلافاسق وإنما يقتل عند علمائنا سياسة لرفع فسادهم وشرهم.

(مصدر سابق، ص:٣٤٥)

ملک میں مذہبی فسادات: ہم کیا کریں؟

فیاض احمد مصباحی شراوستی

بھارت جو ہمارا ملک ہے اس ملک کو خدا نے اپنی بے کراں رحمتوں کے خزانے دے رکھا ہے۔ الگ الگ مذہب رکھنے کے باوجود باشندگان وطن کا ایک دوسرے کے تئیں بے لوث محبت، یہی حسن ہے، یہی بہار ہے لیکن بھائی بھائی بن کر رہنے والے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شامل رہنے والے ہندوستانی آج کیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ جس نام سے پیار بٹتا تھا آج اسی نام کو غلط طور پر استعمال کرکے نفرت کون پھیلا رہا ہے؟ ایک ہی پلیٹ میں عید کی سوئیاں اور دیوالی کی پوڑیاں کھانے والے ایک دوسرے کے حلق سے نوالہ کیسے چھیننے لگے ہیں؟ یہ آپسی پیار دشمن گروہ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ کوئی تو ہے جو پردے کے پیچھے رہ کر وطن کے بہار کی عظمت تاراج کرنا چاہتا ہے۔

آج ہم لوگ اسی باریک راز کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں ہندوستان جیسے پیارے ملک کا ایک بہت ہی چالاک اور مکار دوست نما دشمن ہے، جس کی تخریبی اور خونی داستانیں سن کر آج بھی بڑے بڑوں کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ ہمارے ملک کا یہ دوست نما دشمن چاہتا ہے کہ اب ہر طرح سے اس خوبصورتی کی ملکہ کا سارا حسن کھرچ دیا جائے۔ اس کے تقدس کو لہولہان کر دیا جائے۔ یہ ملک دشمن طبقہ ہندوستان کی عظمت رفتہ کے پرخچے اڑانے پر آمادہ ہے۔ یہ دشمن ہمارے ملک کے نیتاؤں کا نیا دوست اور ملک کی بھولی بھالی سیدھی سادی عوام کا سب سے خطرناک دشمن ۹۰ فیصد قوم کو غربت کا شکار کر کے قومی خزانے کا بندر بانٹ کرنا چاہتا ہے۔ یہ دشمن ملک کی وہ طاقتیں ہیں جو مذہب کے نام پر کئی تنظیمیں ہمارے وطن میں چلا رہی ہیں۔ جو مذہبی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ۱۵ سے ۲۵ سال تک کے نوجوانوں کو اور مستقبل سے بے پرواہ لوگوں کو بھڑکا کر فساد کراتی ہیں۔ نوجوانوں کی دیگر مذاہب کے خلاف ذہن سازی کر کے کسی مذہبی جلوس میں شامل ہوکر ایسا کارنامہ انجام دینا جس سے ملک کا وقار داؤ پر لگ جائے اور قومی معیشت تباہ و برباد ہوجائے۔ یہ ایک سازش ہے جسے وقت سے پہلے ہمیں سمجھنا ہوگا۔

ذہنی طور آج ملک کے گمراہ کئے گئے جوانوں کے ذریعہ جو نقصان ہورہا ہے وہ انگریزوں کے دور میں بھی نہیں ہوا تھا۔ دیش بچانے کے لیے ہم لوگ کیا کریں؟ جیسا ماحول ہمارے ملک کا بن چکا ہے، کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ایک بات تو ہم ہندوستانیوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ ہمارے کچھ لیڈران نہ ملک کے لیے وفادار ہیں اور نہ ہی عوام کے لیے وفادار ہیں۔ ہم غریبوں کے ٹیکس کے پیسے کی جب بڑی رقم جمع ہوجاتی ہے تو یہ نیتا لوگ اپنا، اپنے خاندان اور دوست و رشتہ دار کا مستقبل سنوارنے کے چکر میں لگ جاتے ہیں اور بڑی سے بڑی رقم بنا ڈکار لیے ہضم کر جاتے ہیں۔ فسادات کرانے اور فسادات سے کن لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اس پر بھی غور کرنا ہوگا اور اس نقطے کو ہر طرح سے عوام الناس میں مشتہر بھی کرنا ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی ہمارے ووٹوں سے بنی ہوئی حکومت اپنے کیے ہوئے وعدے کے معاملے میں ناکام ہوتی ہے، تو اپنے پالتو گرگے پھیلا دیتی ہے جو مذہبی اور دیش بھکتی کے نام پر لوگوں کو اُلو بناتے ہیں اور ہندوستانیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت پیدا کرتے ہیں۔ پھر انھیں گرگوں کی بدولت کوئی بڑا فساد کرا کے ساری ناکامی اور گھوٹالے کو یکلخت فراموش کرانے کی کامیاب کوشش کی جاتی ہے۔ ابھی ملک کے جوانوں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ روزگار اور تعلیم ہے لیکن جوانوں کو ایسا ورغلایا گیا اور اتنی ذہن سازی کی گئی ہے کہ ان کے لیے روزگار اور تعلیم کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں

۔بڑھتی ہوئی مہنگائی، رافیل گھوٹالہ سے لے کر ویم گھوٹالے تک کا حساب لینا تھا مگر عین ایسے اہم موقعوں پر کوئی فساد کرا کے پورے معاملے کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا جاتا ہے۔

سوال اٹھتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ اس کے لیے سمجھ دار اور ملک کو ترقی کی راہ پر لانے کی فکر کرنے والے افراد کو آگے آنا ہوگا۔ مسلم سماج اور ہندو بھائیوں کے سمجھ دار، ذمہ دار اور وطن کی فکر کرنے والے افراد سے ملاقات کر کے اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنا چاہیے اور ہر طبقے کے لوگوں کو سمجھا کر یہ پیغام دینا چاہیے کہ دنگوں سے ملک کا بھلا کبھی نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہوتا ہے۔ ہر علاقے کے سیکولر طبقے کو سامنے آ کر وطن پرستی کا ثبوت دینا ہوگا۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ اس راہ میں پریشانیاں بہت ہوں گی لیکن ہمیں ملک و قوم کے لیے سب برداشت کرنا ہوگا۔

ایک دوسرے کو گلے لگا کر یہ پیغام دینا ہوگا کہ ہم مل جل کر ہی اپنے ملک کا وقار بڑھا سکتے ہیں ۔گمراہ ہو چکے نوجوانوں کو پیار سے سمجھانا ہوگا اور سچائی ان کے سامنے رکھنی ہوگی کہ ہمارا ملک دشمن کے خونی چنگل میں جکڑا جا چکا ہے۔ ملک کے سب سے طاقت ور ہاؤس سے اس طرح کا سخت قانون پاس کروانا ہوگا کہ جو بھی قومی ایکتا کو تباہ کرنے کی کوشش کرے اس کی ساری املاک ضبط کر کے فساد میں نقصان برداشت کرنے والے کو دے دیا جائے گا اور آئندہ پچاس سالوں تک اس طرح کی حرکتوں میں ملوث طاقتیں ملکی سیاست میں کسی بھی طرح کا حصہ نہیں لے سکیں گی۔ ۲۰۱۹ کا عام چناؤ آنے سے قبل اس طرح کی ملک بچاؤ تحریک کا قیام بہت ضروری ہے ورنہ ہمارے ملک کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

آسنسول میں امام رشیدی صاحب کے لخت جگر کی شہادت کے بعد جس طرح پورا شہر بچے کے جنازے میں بدلے کے تیور کے ساتھ شامل تھا۔ اگر امام صاحب بچے کی محبت پر وطن کی محبت کو ترجیح نہ دے کر امڈے ہوئے سیلاب کو ایک اشارہ کر دیتے تو شاید آسنسول کی دھرتی اور پورا ملک آگ کے شعلوں میں جل رہا ہوتا جو ان شر پسند عناصر کا مقصد اصلی بھی تھا۔ لہٰذا ہمیں اس امام صاحب جیسے امن پسند لوگوں کی حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے۔ ☆☆☆☆

(ص:۴۶ر کا بقیہ)

ہے جس کے سر پہ خاکِ دیارِ نبی کا تاج
ہر بزمِ عزّو جاں میں وہ سرفراز ہے

مدت سے میرے طاقِ دل وجاں میں ہے مقیم
عشقِ نبی کی شمعِ فروزاں زہے نصیب!
شاخِ کرم ہوا نے ہلائی تو یہ ہوا
دامن میں آگیا گلِ خنداں زہے نصیب!
گلزارِ مصطفی کا ہے مسکن اسی لیے
ہے فکر میری خلد بداماں زہے نصیب!

خوبصورت الفاظ اور دلکش تراکیب کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔

نغمگی وسحر آفرینی:

شاعری، فنون لطیفہ کی ایک مقبول ترین قسم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنون لطیفہ کے دیگر اقسام (مصوری، نقاشی، موسیقی) کی طرح شاعری میں بھی بالیدگی و شیفتگی اور نغمگی و سحر آفرینی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ لیکن شاعری میں یہ کیفیت پیدا کرنا ہر کس و ناکس شاعر کا کام نہیں۔ استاد اور فنکار شاعر ہی اپنے کلام میں "نغمگی وسحر آفرینی" کا روح پرور اور کیف آگیں جمال پیدا کر سکتا ہے۔ کلامِ نورؔ میں نغمگی وسحر آفرینی کی کیفیت قلوب کو تازگی اور دلوں میں فرحت و سرور پیدا کرتی ہے۔ موصوف کے گذشتہ نعتیہ اشعار میں نغمگی وسحر آفرینی کے نمونے اہلِ ذوق جگہ جگہ ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مزید ایک مثال ملاحظہ کریں:

جب خیالوں میں نبی کا نقشِ پا روشن ہوا
حجرۂ دل کا مرے اک اک دیا روشن ہوا
کائناتِ رنگ و بو میں خوشبوؤں کی موج میں
نامِ ان کا دائرہ در دائرہ روشن ہوا
مسجدِ احساس میں ذکرِ نبی چھیڑا کہ بس
دفعتاً محرابِ دل میں آئینہ روشن ہوا

جناب سید نور الحسن نورؔ کے نعتیہ کلام میں "صنائع و بدائع" کا استعمال بھی کثرت سے ہوا ہے۔ راقم الحروف طوالت کے خوف سے انھیں چند ادبی خصوصیات پر اکتفا کرتا ہے۔

☆☆☆☆

فکر و نظر

وراثت میں لڑکیوں کا حصہ

ایک مثبت جائزہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں ۔ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں ۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از:مبارک حسین مصباحی

جولائی ۲۰۱۸ء کا عنوان	سوشل میڈیا کے بڑھتے رجحانات: اثرات و نتائج
اگست ۲۰۱۸ء کا عنوان	واقعۂ کربلا اور اس کے دینی و عصری مطالبات

وراثت میں عورتوں کے حقوق: ایک مثبت جائزہ

از: محسن رضا ضیائی، mohsinrazaziyai@gmail.com

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے، جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے ماننے والوں کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ انہیں افراط و تفریط سے بچاکر اعتدال اور میانہ روی کی سمت گامزن کیا ہے۔ان کی سماجی، اقتصادی، عائلی، خانگی اور ازدواجی زندگی کے تمام مسائل و معاملات کا کامل ترین حل پیش کیا ہے۔خاص طور پر حقوق کے معاملے میں سب کا یکساں اور مساوانہ طور پر خیال رکھا ہے۔کسی کے بھی ساتھ ظلم و ناانصافی کا معاملہ روا نہیں رکھا ہے۔بلکہ ان کے لیے باقاعدہ ایسے اصول و قوانین مرتب کیا ہے، جن پر چل کر اسلام میں کوئی بھی شخص کسی حق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ اس کے لیے قرآن کریم کی کئی ایک آیات اور بہ کثرت احادیث مبارکہ شاہد عدل ہیں۔گویا اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنے ماننے والوں کی ہدایت و رہ نمائی کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ اسلام کا انسانوں بالخصوص مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

لیکن یہ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے اس طرح حقوق کے معاملے میں عدل و مساوات کرنے کے باوجود آج پوری دنیا میں اسلام کو در پردہ بدنام کرنے کی اس طرح کوششیں کی جا رہی ہیں کہ اسلام نے عورتوں اور بچیوں کو ان کے مالِ واثت سے محروم رکھا ہے۔ ان کے ساتھ ظلم و زیادتی اور ناانصافی جیسا سلوک برتا ہے۔ اور ان اسلام مخالفین کی تائید مسلم معاشرے سے بھی ہوتی ہے، جہاں عورتوں اور بچیوں کو وراثت سے یکسر محروم رکھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اسلام مخالف طاقتوں کو لب کشائی کا موقع ملتا رہتا ہے۔یہاں ہم ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں گے اور قرآن و احادیث کی روشنی میں عورتوں اور بچیوں کے حقوق پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

شریعت اسلامیہ نے تقسیم وراثت کے سلسلے میں ایک قانون وضع کیا ہے، جو ”علم میراث یا علم فرائض “کہلاتا ہے۔اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے میراث کو نصف علم قرار دیا ہے۔چناں چہ اس سلسلے میں ایک حدیث پاک میں آیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:علم میراث سیکھو اور دوسرے لوگوں کو سیکھاو۔یہ نصف علم ہے، جو بھلا دیا جاتا ہے۔اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھالی جائے گی۔[سنن ابن ماجہ ۲/ ۹۰۸]

اس حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ نے علم فرائض کی اہمیت و ضرورت سے امت کو متعارف کرایا ہے اور اسے نصف علم قرار دے

کر اس کے سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب و تاکید فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے تمام دینی و دنیوی علوم کو ایک حصہ اور علم فرائض کو تنہا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ اسی سے اس علم کی اہمیت و ضرورت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ میراث کو علم الفرائض کا نام بھی دیا گیا ہے۔ علم فرائض علم فقہ اور علم حساب کے ان قواعد کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعے میت کا ترکہ اس کے وارثین کے درمیان تقسیم کرنے کا طریقہ معلوم کیا جائے۔ علم فرائض کا مقصد میت کے مال میں سے ہر وارث کو اس کا متعیّن حق دینا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جملہ دینی و دنیوی علوم کا تعلق براہ راست انسان کی زندگی ہے، لیکن علم فرائض وہ علم ہے کہ جس کا تعلق انسان کی بعد والی زندگی یعنی موت سے ہے۔ علم میراث ہی کے ذریعے سے میت کے وارثوں کے درمیان عدل و انصاف اور حق و صداقت کے ساتھ وراثت کی تقسیم کی جاتی ہے۔ علم میراث عدل و مساوات کا ایک ایسا پیمانہ ہے، جس سے سبھی وارثوں کے حقوق کو برابر اور یکساں طور پر تولا جاتا ہے اور ان حقوق کو ان کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔ اسلام کا یہ ایک ایسا قانون ہے، جس نے لوگوں کے درمیان سے حق تلفی، ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ کیا اور ہر وارث کو اس کے حقوق سے متعارف کرا کر اس کا اسے حق دار بنایا۔

اس کی ایک واضح اور روشن مثال حدیث پاک میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یوں ملتی ہے کہ:

میرے والد بشیر بن سعد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میری زوجۂ محترمہ عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے یہ کہا کہ میں اپنا فلاں باغ اپنے بیٹے نعمان کو ہبہ کر دو، اور اس پر آپ ﷺ کی گواہی قائم کرلوں۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھاری اور بھی اولاد ہیں؟ عرض کیا، ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ کیا ان سب کو بھی ان کے حصے کا برابر برابر مال دیا ہے؟ عرض کیا نہیں، صرف نعمان ہی کو دے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ (سنن نسائی ۲۶۱/۶)

اس مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ کے اس فرمان ”میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا“ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی کے لیے حق تلفی اور زیادتی کو روا نہیں رکھا گیا، بلکہ سب کے ساتھ مساوانہ اور منصفانہ برتاو کیا گیا۔ یقیناً شریعت اسلامیہ کے اس قانون کے جیسا پوری دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں ایسا بے مثال اور عدل و انصاف کا پاس دار قانون نہیں ملتا۔ اگر اس سلسلے میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کا جائزہ لیں تو یہ ایک عجیب و غریب حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ ان مذاہب میں تو ورثا کے حقوق میں اس قدر ظلم و زیادتی اور حق تلفی کی جاتی ہے کہ انہیں ان کے حقوق سے یکسر طور پر محروم کر دیا جاتا ہے، جو یقیناً وارثین پر ایک طرح کا بہت بڑا ظلم ہے۔ غیر مسلم سماج میں وراثت کے معاملے میں عورتوں اور بچیوں پر حد درجہ زیادتی اور حق تلفی کی جاتی ہے۔ غیر مسلم سماج بالخصوص ہمارے ملک میں اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں، تاہم ایک ہی مثال پر اکتفا کریں گے۔

غیر مسلم سماج میں عورتوں اور بچیوں کی حق تلفی:

غیر مسلم سماج میں وراثت کے معاملے میں عورتوں اور بچیوں پر ظلم و ناانصافی کیا جانا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ عورتوں کو کمزور و بے بس سمجھ کر ان کے مالِ وراثت سے محروم کردینے کی یہ روایت صدیوں پرانی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ آج کچھ ہندو سماج میں لڑکیوں اور عورتوں کو ان کی وراثت کا تھوڑا بہت حق دیا جاتا ہے۔ لیکن آج سے پہلے ہندو مذہب میں لڑکیوں کو باپ کی جائیداد سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، بہت زیادہ کوششوں او نتیجوں کے بعد حکومت ہند نے ہندو ایکٹ میں ترمیم کر کے ۱۹۵۹ء میں لڑکیوں کو باپ کی منقولہ جائیداد کا حق دار قرار دیا۔ حکومت ہند کے اس انقلابی اور مثبت اقدام کے باوجود پورے ہندو سماج نے اس قانون کو قبول نہیں کیا اور اسی طرح یہ قانون سرد خانہ میں ڈال دیا گیا۔

قانون کے ماہر ڈاکٹر اروند جین نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء سے پہلے مشترکہ خاندان کی ملکیت میں بیٹیوں کا کسی بھی طرح کا کوئی حق نہیں تھا۔ ۱۹۵۰ء میں بنے ہندو وراثت آرڈی ننس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اگر کسی ہندو آدمی کا مشترکہ خاندان کی ملکیت میں بھی حصہ ہے اور اس کے ورثا میں (بیٹی، بیوہ اور ماں وغیرہ) عورتیں بھی شامل ہیں تو انہیں بھی حصہ مل سکتا ہے، بہ شرط کہ متوفی نے اپنے حصے کے بارے میں کوئی وصیت نہ کی ہو۔

مذاہب عالم کی تاریخ و تمدن کے مطالعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ پوری دنیا میں اسلام ہی وہ مذہب ہے، جس میں تقسیم وراثت کا باضابطہ ایک ٹھوس اور متوازن قانون موجود ہے، جس کے ذریعے سے ہر حق دار اپنے حقوق سے متعارف ہوتا ہے۔ اور اسی طرح تمام ورثا کے درمیان شریعت کی روشنی میں وراثت کی تقسیم عمل میں آتی

ہے، جس سے کوئی بھی شخص اپنے جائز اور شرعی حق سے محروم نہیں رہتا ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب میں اگر اس سلسلے میں قانون وضع بھی ہوئے ہیں، تو وہ بندوں کے ذریعے ہوئے ہیں، جس میں ترمیم و تبدیلی کا ہونا یقینی امر ہے۔ لیکن اسلام کا قانون وراثت اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، جس میں قیامت تک ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مسلم سماج اور تقسیم وراثت :

مسلم سماج میں تقسیم وراثت پر قدرے روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ قبل اسلام کے حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے، جس سے آنے والی گفتگو کو سمجھنے میں قدرے آسانی ہو۔

تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ ورودِ اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت کے حالات اس معاملے میں انتہائی طور پر ناگفتہ بہ تھے، عرب جاہلیت کے دور میں حق داروں کا حق چھین لیا جاتا تھا اور انہیں ظلماً وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا، خاص طور پر عورتوں اور بچیوں کے ساتھ حد درجہ زیادتیاں اور حق تلفیاں عام تھیں۔ انہیں مال وراثت میں کچھ بھی حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جب عورت بیوہ ہو جاتیں تو اسے لاوارث چھوڑ دیا جاتا اور اس کا سارا مال وراثت پر ناحق طور پر قبضہ جما لیا جاتا تھا۔ ایسے ہی بچیوں کے حقوق کو بھی ظلماً سلب کر لیا جاتا تھا، جو ایک طرح سے بہت بڑی زیادتی اور بے انصافی کی بات تھی۔ جو جتنا طاقت ور اور بااثر ہوتا وہ عدل وانصاف کی ساری حدوں کو توڑ کر سارے مال کا مالک بن جاتا اور اصل حق داروں کو یوں ہی محروم چھوڑ دیتا۔ ایسے غیر دیانت دارانہ اور غیر منصفانہ حالات میں اللہ تعالیٰ نے قومِ عرب میں اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعے وراثت کے احکام و قوانین بیان فرما کر قوم کی جہالت و لاعلمی اور کج روی و کم فہمی کو ازالہ فرمایا۔ قرآن کریم میں اس سلسلے کی ایک نہیں بلکہ کئی ایک آیات نازل ہوئیں ہیں، جو اسلام کے قانون وراثت کو بیان کرتی ہیں اور ہر حق دار کو اس کے حق سے آشنا کرتی ہیں۔

لیکن کس قدر افسوس و حیرت کی بات ہے کہ جس اسلام نے سماج و معاشرے سے مالی بد دیانتی اور حق تلفی کا خاتمہ کیا اور سماج کے لیے ایک ایسا معتدل اور متوازل قانون تشکیل دیا، جس کی مثال پوری دنیا کے کسی بھی مذہب و دھرم میں نہیں ملتی ہے۔ آج اسی کے ماننے والے مالِ وراثت سے عورتوں اور بچیوں کو محروم کر کے اس کے قانون کی دھجیاں اڑا رہے ہیں، جہالت و غفلت میں قرآنی احکامات و ہدایات کے خلاف ورزی کر رہے ہیں، جو ہمارے لیے نہایت ہی قابل افسوس ہے۔ یہ امر صاف ہے کہ غیروں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے نتیجے میں ان کے برے اقدار و روایات ہمارے سماج میں بھی در آئے ہیں، جس سے اب ایسا لگنے لگا ہے کہ سماج پھر سے زمانۂ جاہلیت کی طرف عود کرتا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ قومِ مسلم کے لیے انتہائی شرم کی بات ہے کہ جس مذہب میں اس قدر واضح ارشادات و ہدایات اور قوانین و ضوابط موجود ہیں، وہ قوم ان سے نابلد اور لاعلمی کا شکار ہیں۔ اس معاملے میں قوم مسلم میں شعور و بیداری لانا علما، ائمہ اور مفتیان کرام کی نہایت ہی اہم اور اولین ذمہ داری ہے۔

اب آیئے اس سلسلے میں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت میراث کو ملاحظہ کریں، جس میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث کے کئی ایک احکامات کو واضح اور مفصل انداز میں بیان فرمایا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو(۲) بیٹیوں برابر پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو(۲) سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دَین کے تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمھارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔

اور تمھاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو اُن کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر اور تمھارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمھارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمھارے اولاد ہو تو ان کا تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔

(ترجمہ: کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے نہ صرف میراث کے احکام و مسائل کو بیان فرمایا، بلکہ میراث کی تقسیم کا طریقہ بھی بیان کیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کرام نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ: آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لیے بنو سلمہ کے محلہ میں پا پیادہ تشریف لائے۔ اس وقت میں بے ہوش تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور وضو کے باقی پانی کو مجھ پر چھڑکا، تو مجھے ہوش آگیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ تو اس وقت یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل وراثت کے احکام و مسائل بیان فرمایا ہے:

(۱)-کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کی اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں ہیں، تو ہر بیٹے کو بچی کا دوگنا حصہ ملے گا۔

(۲)-اگر صرف ایک ہی بیٹا ہو تو، جن وارثوں کا حصہ شریعت میں مقرر ہے، ان کو دینے کے بعد بقیہ کل ترکہ بیٹے کو ملے گا۔

(۳)-ایک سے زائد بیٹے ہوں، تو ان میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۴)-اگر کسی کی وارث صرف ایک بیٹی ہو تو اسے بقیہ ترکے کا آدھا حصہ ملے گا۔

(۵)- اگر ایک سے زائد صرف بیٹیاں ہوں، تو ان کو مجموعی طور پر بقیہ ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

(۶)-کسی شخص کا انتقال ہو گیا اور وہ صاحب اولاد ہے اور اس کے ماں باپ بھی باحیات ہیں، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔

(۷)-اگر کسی شخص کا انتقال ہوا اور اس کی اولاد نہیں ہے اور اس کے ماں باپ بہ قید حیات ہیں، تو ماں کو ترکے کا تہائی حصہ ملے گا اور بقیہ ترکہ باپ کو ملے گا۔

(۸)-فوت شدہ شخص کے لاولد ہونے کی صورت میں اگر اس کے بہن بھائی ہیں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۹)- اگر بیوی لاولد ہو تو اس کا نصف ترکہ شوہر کو ملے گا۔

(۱۰)-اگر شوہر لاولد ہو تو اس کے ترکے سے بیوی کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

(۱۱)-اگر شوہر کی وفات ہو گئی تو بیوی ایک ہو یا ایک سے زائد (اولاد کی موجودگی میں) سب کو مجموعی طور پر شوہر کے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔

(۱۲)-اگر کسی لاولد شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ماں باپ بھی نہ ہوں اور صرف ماں کی طرف سے بہن یا بھائی ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر صرف ماں کی طرف ایک سے زائد بھائی یا بہن ہوں تو انہیں کل ترکے کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔(زبدۃ التفسیر، ص:۴۶،۴۵)

ان متذکرہ بالا آیات سے جو مسائل و احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان سے یہ جگ ظاہر ہے کہ اسلام نے کس طرح ہر حق دار کے حق کو واضح کیا ہے اور بالخصوص عورتوں اور بچیوں کے حقوق کو واضح اور واشگاف لفظوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بسا اوقات یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو عورت شوہر کے انتقال کے وقت اس کے نکاح یا اس کی عدت میں ہو، وہ اپنے شوہر کی وراثت سے محروم سمجھی جاتی ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ عورت وقت عدت اور بعد عدت دونوں حالتوں میں اپنے شوہر کی وراثت کا حق رکھتی ہے۔ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ جب تک عدت میں ہے، اگر اس کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کے ترکہ سے میراث پائے گی، جس طرح غیر مطلقہ بیوی پاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کو ان کے حقوق عطا کیا ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی ان کے مساوی حقوق دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔[النساء:۷]

یعنی قرآن کے اس اصول اور قانون کے تحت مرد اور عورت دونوں کا وراثت میں حق مقرر ہے، جس کو کوئی ان کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔

اسی طرح شوہر کے انتقال کر جانے پر بیوی کے حق کو قرآن عظیم نے یوں بیان کیا:

اور تمھاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر اور تمھارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمھارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمھارے اولاد ہو تو ان کا تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ۔

وراثت میں عورتوں کے حقوق کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کے قانون وراثت میں جن لوگوں کو وارث قرار دیا گیا ہے وہ کل تین طرح کے ہیں:

۱-ذوی الفروض ۲- عصبات ۳- ذوی الارحام

یہاں ہم صرف ذوی الفروض پر روشنی ڈالیں گے، جس میں مردوں اور عورتوں کو بہ حیثیت اصلِ وارث شامل کیا گیا ہے۔ ذوی الفروض کی کل تعداد بارہ ہے، جس میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

ذوی الفروض مرد:

۱-شوہر ۲- باپ ۳- اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی ۳-جد صحیح

ذوی الفروض عورتیں:

۱- بیوی ۲- ماں ۳- بیٹی ۴- پوتی ۵-سگی بہن ۶-علاتی (ماں کی طرف سے بھائی) بھائی ۷- اخیافی بہن

اسلام کے اس قانون وراثت کی واقعی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے نہ صرف عورتوں کو مساوی حقوق عطا کیا ہے بلکہ وراثت میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو کثیر تعداد میں شامل کیا ہے، جو عورتوں کے لیے قابل رشک اور باعث عزت بھی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ذوی الفروض میں ان عورتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے، جو مرد کی شرعی کفالت میں نہیں آتی ہیں۔ یقیناً یہ اسلام کا عورتوں پر بہت بڑا فضل واحسان ہے۔

اسی طرح اسلام کے قانون وراثت سے نابلد اور ناواقف لوگ یہ بھی ایک منفی پروپیگنڈا پھیلاتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کا مرتبہ مردوں سے کم تر ہے، جس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ”ایک مرد کا حصہ دو مردوں کے برابر ہے“۔ ان کا یہ پروپیگنڈا محض اسلامی تعلیمات سے لاعلمی اور کم فہمی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

ایسے کم علم اور ناسمجھ لوگوں کو اسلام کے اس حکمت و فلسفے کو جاننا چاہیے کہ عورت مرد کے تابع ہوتی ہے، اس کی تمام تر ضروریات کی تکمیل و کفالت کا ذمہ دار مرد کو بنایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر عورت معاشی طور پر مستحکم ہو اور کمانے والی ہو، تب بھی اس کی کفالت و پرورش کی اہم ذمہ داریاں مرد کے سر جاتی ہے۔ اسی لیے ان تمام ذمہ داریوں اور فرضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام نے مالِ وراثت میں مرد کے لیے عورت کا دوگنا حصہ متعیّن کیا ہے، تاکہ مرد اپنے اوپر عائد تمام تر عائلی، خانگی اور سماجی ذمہ داریوں کو بہ طریقِ احسن انجام دے سکے، جس سے زوجین کی عائلی، خانگی اور ازدواجی زندگی خوش حال طریقے سے گزر سکے۔

اخیر میں یہ عرض کرتے چلیں کہ وراثت ورثا کا شرعی حق ہے، جس کو قرآن عظیم نے مقرر کیا ہے، لہذا اس سے ان کو محروم کرنا اور ان کا مال ناحق غصب کرلینا یہ خیانت و بددیانتی اور بہت بڑی حق تلفی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وارثوں کا حق کھانے والوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں اور عبرت ناک سزائیں سنائی ہیں۔

چناں چہ قرآن عظیم میں ہے:

اور میراث کا سارا مال جمع کرکے کھاجاتے ہو اور مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔ [الفجر:۱۹،۲۰]

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔

[النساء:۲۹]

بے شک وہ لوگ جو ظلم کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں بالکل آگ بھرتے ہیں اور عن قریب یہ لوگ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔ [النساء:۱۰]

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ہیں کہ:

حضرت اشعث بن قیس کندی سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص دوسرے کے مال پر قبضہ کرے گا، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا۔ (معجم کبیر ۱/ ۲۳۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے وارث کی میراث کو کاٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا۔ (مشکوٰۃ، ۱/ ۵۶۷)

ان تمام آیات واحادیث کی رو سے پتہ چلا کہ وارثوں کا حق ناجائز اور ناحق طور پر کھانے والا بہت بڑا گنہ گار ہے۔ لہذا ورثا کے حقوق میں خیانت اور بددیانتی کرکے اللہ عزوجل کے عذاب اور اس کے غضب کو دعوت نہیں دینا چاہیے۔ اسی طرح یہ احتیاط بھی ازحد ضروری ہے کہ اپنا تمام مال راہ خدا میں خرچ کرکے یا کسی کو وصیت کرکے اپنے ورثا کو محتاج اور بے سہارا چھوڑنا بھی غیر درست عمل ہے۔ ہاں وصیت کر سکتے ہیں، لیکن شریعت اسلامیہ نے صرف ایک تہائی سے کم یا زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال ہی وصیت کرنے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ پیارے رسول ﷺ کے ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”تیرا اپنے ورثا کو غنی چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج

چھوڑے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔(بخاری ۶۳۱۶)

اب سماج و معاشرے کے ان لوگوں کو یہ بات سمجھنا چاہیے جو اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو کمزور سمجھ کر مالِ وراثت سے محروم کر دیتے ہیں، اور ظلماً ان کا مال کھا جاتے ہیں۔ لہذا اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو مالِ وراثت سے محروم کر کے اغیار کو اسلام پر طنز و تنقید کرنے کا موقع فراہم نہ کریں۔ یاد رکھیں کہ اسلام نے تقسیم میراث کے لیے ایک مستحکم، متوازن اور ٹھوس قانون وضع کیا ہے۔ لہذا علم میراث کے مسائل و احکام کو سیکھیں اور اسی کے مطابق اپنے درمیان فیصلے کریں۔ مزید تفصیلات و معلومات کے لیے علاقائی علما، ائمہ اور مفتیان کرام سے رجوع کریں اور ان سے اپنے سارے مسائل حل کرائیں۔ امیدِ قوی ہے کہ میراث کی شرعی تقسیم سے ہر فرد کی عائلی، خانگی اور ازدواجی زندگی میں ایک عظیم انقلاب آئے گا۔ ☆☆☆

میراث: ایک اہم دینی فریضہ

از: محمد ساجد رضا مصباحی، دار العلوم غریب نواز، داہوگنج، ضلع کشی نگر (یوپی)

اسلامی نظامِ زندگی میں تقسیم میراث ایک اہم فریضہ ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ خاندانی نظام مستحکم ہوتا ہے بلکہ مقاصد شریعت کی تکمیل اور مختلف انسانی طبقات کے حقوق کی پاسداری بھی اسی میں مضمر ہے۔ تقسیم میراث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں اس سے متعلق تفصیلی احکامات نازل فرمائے ہیں اور نافرمانی کی صورت میں دردناک عذاب کی وعید بھی سنائی ہے۔

میراث کے باب میں صنف نازک کے حوالے سے اسلام کا نظام بہت ہی جامع اور ان کے حقوق کا سب سے زیادہ محافظ ہے۔ حقیقت یہ کہ اسلام نے عورت کو وراثت میں وہ حقوق دیے ہیں جو آج تک کوئی تہذیب یا کوئی مذہب اسے نہیں دے سکا، اسلام سے پہلے دنیا میں میراث کا جو نظام تھا وہ غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ تھا، یہودیوں کے یہاں پوری میراث لڑکے کو مل جاتی تھی، عورتوں کو اس سے محروم رکھا جاتا تھا، زمانہ جاہلیت میں میراث کے حق دار وہ لوگ سمجھے جاتے تھے جو لڑنے اور دفاع کرنے کی صلاحت رکھتے ہوں، اس لیے خواتین اور نابالغ بچوں کو ترکہ میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اسلام نے ایک ایسے نظام معیشت کی بنیاد رکھی جس میں دولت کی زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو، اس اصول کو جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں برتا گیا، وہیں قانون میراث میں بھی اس کو ملحوظ رکھا گیا، مردوں اور جوانوں کے ساتھ ساتھ عورتوں اور بچوں کو بھی میراث میں حق دیا گیا اور تقسیم میراث کا ایک ایسا متوازن اور منصفانہ نظام مقرر کیا گیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اللہ جل شانہ قرآن مقدس میں مردوں اور عورتوں کی میراث کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۞ (النساء)

ترجمہ: مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے، ترکہ تھوڑا ہو یا بہت، حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔ (کنز الایمان)

واضح رہے کہ میراث کا حق اللہ جل شانہ کی جانب سے مقرر کردہ ہے، جس کا ادا کرنا ہم سب پر لازم ہے اور اس میں ذرا بھی کوتاہی دنیا وآخرت کی تباہی کا باعث ہے، ہمارے معاشرے میں مردوں کو میراث سے حصہ تو ملتا ہے لیکن اکثر علاقوں میں عورتوں کو ان کے حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور انھیں وراثت نہ دینے کے لیے طرح طرح سے حیلے بہانے کیے جاتے ہیں۔ آج ہم میں سے اکثریت ترکہ کی شرعی تقسیم سے غافل ہے اور گناہِ عظیم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ عورتوں کو بغیر کسی شرعی سبب وراثت سے محروم کرنا بہت ہی بڑا جرم ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ۝۱۹ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ۝۲۰ (الفجر)

ترجمہ: اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو۔

یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ آج مسلمان قانونِ وراثت کے معاملے میں حدود اللہ کو پامال کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس میں جاہل اور ان پڑھ

طبقہ ہی ملوث ہے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ مختلف حیلوں اور بہانوں سے ماں بہن بیٹی اور دوسرے حق داروں کو میراث سے محروم کردیا جاتا ہے۔ عام رواج یہ ہے کہ اگر والد کا انتقال ہوا تو بیٹے ترکہ کو آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور ماں کو اس سے یہ کہ کر محروم کر دیتے ہیں کہ ماں تو ہمارے ساتھ ہی رہیں گی، ان کو اس کی کیا ضرورت؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ماں بے چاری بیٹوں کے یہاں باری باری بھٹکتی رہتی ہے اور اسے اپنی ضروریات کے لیے ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، بہو کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے، اس جلے کٹے جملے سن کر ماں شدید کرب واضطراب سے دوچار ہوتی ہے۔ اگر ماں کو ترکہ دے دیا جائے تو وہ خود کفیل رہے گی یا کچھ نہ کچھ معاش کے انتظام میں یہ ترکہ معاون ہوگا اور اس کی بقیہ زندگی آرام سے کٹ جائے گی۔

ہمارے معاشرے میں یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جو بہن اپنا حقِ وراثت مانگتی ہے معاشرہ اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جیسے اس نے بہت بڑا جرم کر لیا ہے، اس کا بھائیوں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کیا جاتا ہے اور بھائی بہن کے رشتے کو معطل کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے، ایک کمزور بہن اس کی متحمل نہیں ہوسکتی کہ اس کے بھائی اس کا سوشل بائیکاٹ کردیں۔ باپ کے فوت ہونے کے بعد اس جائیداد پر کسی ایک کا حق نہیں ہے بلکہ اب یہ امانت ہے ان وارثوں کی جن کو قرآن کریم نے وارث ٹھہرایا ہے اس امانت کو جلد از جلد اس کے وراثوں کے حوالے کریں اور وارث عورتوں کو ان کی جائیداد سے محروم نہ کریں کیوں کہ اللہ کے ہاں یقیناً وہ ان کے حق میں پکڑے جائیں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے غیر شرعی رسم ورواج کو ختم کر کے اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ علمائے دین مسجد کے منبروں سے معاشرتی برائیوں کے خلاف وعظ ونصیحت اور عوام کی تربیت کے ساتھ عورت کو اس کا حقِ وراثت دلانے کے لیے جدوجہد کریں۔ حق میراث کی سنگینی اور اس میں کوتاہی کے وبال سے قوم کو آگاہ کریں۔

دراصل ہمارے دلوں سے اللہ کا خوف نکل چکا ہے، اخلاص غائب ہو چکا ہے، ہم نام ونمود کے لیے ہزاروں، لاکھوں خرچ کر سکتے ہیں، لیکن اللہ کے حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے اپنے سماج کی بیٹیوں کو ان کا واجبی حق نہیں دے سکتے، ہمارے سماج میں جہیز کا رواج دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے، حیثیت والے لاکھوں کا جہیز اپنی بیٹیوں بہنوں کو دے کر مونچھ پر تاؤ دیتے ہیں، فخر ومباہات کی دنیا میں مگن ہو جاتے ہیں، شادی بیاہ کے دیگر مصارف میں لاکھوں خرچ کرتے ہیں، لیکن جب باپ کی موت کے بعد اپنی بہن کو ان کا شرعی حق وراثت کی شکل میں دینے کی بات آتی ہے تو ہم پر قیامت آجاتی ہے، جہاں وراثت کا مطالبہ ہوا وہیں سے نااتفاقی اور دشمنی کا آغاز ہوجاتا ہے۔ جہیز دینا مباح ہے اور وراثت کا حق ادا کرنا واجب، ہم مباح امر کو بجالانے میں تو بہت چستی دکھاتے ہیں لیکن واجب حق کی ادائیگی میں ہم حیلے بہانے کرکے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہمارے لیے بہت ہی شرم کی بات ہے۔

وراثت میں غبن کرنے والوں کے لیے بہت شدید وعیدیں وارد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (مشکوٰۃ)

جس نے کسی وارث کی وراثت کو روکا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کا حصہ ختم کردے گا۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ وارثین کو وراثت کا حق نہ دینا حقوق العباد کی پامالی ہے جس کا وبال بہت شدید ہے، ایک حدیث میں پاک میں ناحق مال کھانے والوں کے بارے میں فرمایا گیا:

قال قال رسول الله ﷺ فمن یاخذ مالا بحقه یبارك له فیه و من یاخذ مالا بغیر حقه فمثله کمثل الذی یاکل ولا یشبع (المسلم)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حق کے ساتھ مال لیا تو اس میں برکت ڈالی جائے گی اور جس نے ناحق مال لیا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر شکم سیر نہیں ہوتا۔

ہمیں آخرت کے وبال سے ڈرنا چاہیے اور ایک ایسے پاکیزہ سماج کی تشکیل کے لیے کوشش کرنی چاہیے جس میں ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت ہو، حق والوں کو ان کا حق ملے، وارثوں کو بغیر حیلے بہانے کے حق وراثت ملے، شریعت کا بول بالا ہو، دین اسلام کی سربلندی ہو اور چہار جانب روحانیت کی بہاریں ہوں۔

☆☆☆

سیّد الشعراء سیّد محمد نور الحسن نوؔر نوّابی فتح پوری

کی نعتیہ شاعری

محمد طفیل احمد مصباحی

ادب ایک تہذیبی عمل ہے اور شاعری اس کی لطیف ترین شکل ہے جو انسان کے جذبات و احساسات کو برانگیختہ کرنے کے ساتھ اس کے فکر و شعور کو تازگی اور بالیدگی عطا کرتی ہے۔ ادب خواہ نظم کی شکل میں ہو یا نثر کی صورت میں، اس کی حیثیت تفریحی نہیں، بلکہ تربیتی ہے۔ شعر کی معنی خیز نغمگی دل و دماغ میں ایک وجدانی اور روحانی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ غزل اگر شاعری کی آبرو ہے تو حمد و نعت اس کی شان اور شعر و سخن کی معراج ہے۔ دینی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اردو کی یہ تقدیسی شاعری (حمد، نعت، منقبت) موجبِ خیر و برکت اور باعثِ تقویٰ و صلاح ہے۔ ادبی لحاظ سے اردو کی حمدیہ و نعتیہ شاعری، اردو زبان و ادب کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے۔ اردو شاعری کی ابتداء حمد و نعت اور منقبت سے ہوئی۔ دکن، دہلی، لکھنؤ، عظیم آباد، مرشد آباد کے ادبی مراکز کے وہ قدیم شعراء جو اردو کے "سابقین اوّلین" شعراء میں شمار کیے گئے، ان کے دواوین و کلیات میں حمد و نعت اور منقبت کے اشعار وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔

اردو کی اصنافِ شاعری میں صنف "نعت گوئی" سب سے مشکل ترین صنف ہے۔ اس کے لیے فن کے اصول و مبادی سے گہری واقفیت اور وسیع دینی مطالعے کے ساتھ عقیدت، محبت، خلوص، ایمان داری، جذبۂ عشقِ رسول ﷺ اور طہارتِ فکر و روح کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہند و پاک سے تعلق رکھنے والے "نعت گو شعراء" کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے اس فن کے دینی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے کامیاب "نعتیہ شاعری" کی ہے اور عشقِ رسول ﷺ کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے فکر و فن کے جوہر دکھائے ہیں۔

عصر حاضر کے "نعت گو شعرا" میں فتح پور، یوپی سے تعلق رکھنے والے ایک ممتاز اور صوفی نعت گو شاعر جناب سید نور الحسن المتخلص بہ نوؔر دام ظلہ العالی بھی ہیں۔ اپنی خاندانی شرافت و وجاہت اور صوفیانہ مزاج و مشرب کے حامل اس درویش صفت عالم و شاعر نے "نعت گوئی" کے میدان میں بڑی شان دار کامیابی حاصل کی ہے۔ سید نور الحسن صاحب قبلہ ایک علمی و روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور اپنے اسلاف کی دینی، علمی، ادبی و روحانی اقدار و روایات کے امین و ترجمان بھی۔ عالمانہ وقار، صوفیانہ مزاج اور قلندرانہ شان رکھتے ہیں۔ دینی و عصری علوم کے باہمی امتزاج نے آپ کی شخصیت کے چاند کو اور زیادہ روشن و تابناک بنا دیا ہے۔ آپ کے والد محترم شمس العارفین حضرت الحاج صوفی سید نواب علی شاہ حسنی عزیزی ابو العلائی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے ولی کامل، مرشدِ طریقت اور عظیم رہبرِ شریعت تھے، جن کی مساعی جمیلہ سے دین و مذہب کی گراں قدر خدمات انجام پائیں۔ جناب سید نور الحسن نوؔر فتح پوری کے برادرِ مکرم حضرت صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ عزیزؔ نوابی لیاقتی دام ظلہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ نوؔر صاحب قبلہ نے انھیں کی نگرانی میں اپنی ادبی زندگی اور شعری سفر کا آغاز کیا اور آگے چل کر جادۂ شعر و ادب کے ایک پُر عزم اور کامیاب مسافر کی حیثیت سے منزل آشنا ہوئے۔

شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں ماحول اساسی کردار کا حامل ہوا کرتا ہے۔ انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

جیسی سنگت (ماحول) ویسی رنگت (اثر) جناب نور الحسن نوؔر کو ادب عالیہ اور شعر و سخن کا پاکیزہ ذوق وراثت میں ملا ہے۔ خانقاہی ماحول میں نشو و نما پانے کے سبب مزاج میں صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ خانقاہ کی شعری و ادبی روایت کو اپنے سینے سے لگا کر گلشنِ شعر و سخن کی بھرپور آبیاری فرما رہے ہیں۔ اب تک ان کے مندرجہ ذیل تین مجموعہ ہائے کلام منظرِ عام پر آکر اہلِ علم و ادب سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں:

(۱)-قلزمِ نور (۲)-مطلعِ نور (۳)-وسلموا تسلیما

حضرت نوؔر نے اپنے شاعری کی ابتدا حمد و نعت اور منقبت سے کی۔ بعد ازاں "غزل گوئی" کے میدان میں بھی قدم رکھا۔ لیکن "نعت گوئی"

سب ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار ہے۔ سادگی و پرکاری کے ساتھ اگر جذبۂ خلوص اور فکر و فن کی گہرائی "شعر و سخن" کی جان بن جائے تو پھر شاعر اپنے وقت کا محض فنکار ہی نہیں، بلکہ انسانیت کا مسیحا اور انسانی روح کا معمار بن جاتا ہے۔ راقم الحروف یہ بات بلا مبالغہ کہہ رہا ہے کہ حضرت نور فتح پوری کے کلام میں سلاست و روانی اور سادگی و پرکاری کے ساتھ جذبۂ خلوص اور فکر و فن کی گہرائی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اس جہت سے نور صاحب ایک عظیم شاعر و فنکار اور انسانی روح کے معمار ہیں۔ آپ کی شاعری اور بالخصوص "نعتیہ شاعری" خلوص و وفا پر مبنی اور عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت تیز کرنے والی شاعری ہے۔ توحید و رسالت کے دینی و شرعی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ نے اپنی نعتیہ شاعری میں محبت، خلوص، ایمان داری اور طہارتِ فکر و روح کا بڑے دلکش انداز میں مظاہرہ کیا ہے۔

حمد و مناجات کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھ کر شبستانِ ایمان و یقین میں ضرور اجالا پھیلے گا اور دین و ایمان کی کھیتی لہلہا اٹھے گی۔

دعا

خالق تو ہے، داتا تو
ہم سب کا رکھوالا تو
ماں سے زیادہ رب کریم
ہم کو چاہنے والا تو
دشت آتش ناک میں دے
آبِ خنک کا چشمہ تو
ذرّہ ذرّہ تیرا ظہور
چمکے قطرہ قطرہ تو

مناجات

کرم اس قدر میرے غفار کردے
منور مری بزم کردار کردے
بچالے فریب شیاطیں سے مجھ کو
منافق کے حربوں کو بے کار کردے
مرے دامنِ دل میں جتنے خذف ہیں
خدایا انھیں دُرِّ شہوار کردے

جناب نور صاحب کی شاعری تقدیسی شاعری کے ایمانی و عرفانی جلوؤں سے آراستہ ہے۔ ان کا پیغام ایک سرمدی و روحانی پیغام ہے۔

ان کی شاعری کا پیکر عشقِ رسول ﷺ کے اجزا سے تیار ہوا ہے۔ ان کے نعتیہ کلام کی سطر سطر بلکہ لفظ لفظ سے محبت رسول ﷺ کی خوشبو پھوٹتی ہے اور مشامِ فکر و جاں کو معطر کر دیتی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار کا مطالعہ کریں اور نور صاحب کے عشقِ حقیقی کا اندازہ کریں:

درِ شاہِ مدینہ دیکھتا ہوں
زمیں پر عرشِ اعلیٰ دیکھتا ہوں
چلی آؤ مدینے کی ہواؤ!
تمھارا کب سے رستہ دیکھتا ہوں
ملی ہے جب سے اُن کی راہ مجھ کو
ہر اک جانب اُجالا دیکھتا ہوں
نہ جانے کیا ہوا مجھ کو کہ ہر سو
مدینہ ہی مدینہ دیکھتا ہوں
ابھی مت ٹوکنا اے نور مجھ کو
ابھی روضہ نبی کا دیکھتا ہوں

بلا شبہ جناب نور صاحب فتح پوری عصر حاضر کے ایک عظیم نعت گو شاعر ہیں۔ اکیسویں صدی کے نصف اول میں ہندو پاک کے نعت گو شعرا کی جب ادبی و شعری تاریخ مرتب کی جائے گی، تو جناب سیّد نور فتح پوری صاحب کا نام صف اول کے شاعروں میں ضرور آئے گا۔

نور صاحب اپنی "نعتیہ شاعری" کو اپنے لیے سرمایۂ آخرت اور باعث فخر گردانتے ہیں اور عشقِ رسول ﷺ کو مذہبی زندگی کا جزوِ لاینفک سمجھتے ہیں اور یہی حقیقت بھی ہے اور ایمان و اسلام کا لازمی تقاضا بھی۔ وہ گستاخِ نبی سے دور و نفور رہنے کی تعلیم دیتے ہیں اور ذکر رسول ﷺ کو راحت قلب و جاں محسوس کرتے ہیں۔ غرض کہ "نعتیہ شاعری" کے جو لازمی اور بنیادی خصوصیات ہونی چاہیے، وہ ان کے نعتیہ کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ یہ اشعار دیکھیں:

ہونٹوں پہ نعت پاکِ امیر حجاز ہے
اس بات پر ہے فخر مجھے اس پہ ناز ہے
ذکرِ رسولِ پاک سے ملتی ہیں راحتیں
ذکرِ رسولِ پاک مرا چارہ ساز ہے
خوشبو بہشت کی نہ ترے ہاتھ آئے گی
گستاخِ مصطفی سے اگر ساز باز ہے
جو چاہتے ہو بہاروں سے سلسلہ رکھنا

نبی کے عشق کا پودا ہرا بھرا رکھنا

جناب سیّد نوؔر صاحب قبلہ کے شاعرانہ کمال کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ انھوں نے دشوار اور سنگلاخ زمین میں بھی اپنے فکر و فن کے جوہر دکھائے ہیں اور شعر و سخن کے نوع بہ نوع پھول کھلائے ہیں۔

اہلِ علم و ذوق اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ جس قافیے کا آخری حرف زآء ہو، مثلاً: حجاؔز، گداز، دراز وغیرہ۔ اس قسم کے قافیہ میں "ہم قافیہ الفاظ" کی اردو زبان میں بڑی قلت ہے۔ مگر نوؔر صاحب نے اپنی فنکارانہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے بڑی روانی کے ساتھ تیرہ اشعار نکالے ہیں۔

جناب نور الحسن صاحب نوؔر کے کلام میں روایتی انداز سے ذراہٹ کر ندرتؔ اور تازہ کاریؔ کے نمونے بھی ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج وہ شعری و ادبی حلقے میں "شاعرِ جدّت طراز" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ استاذ الشعرا جناب یاور وارؔثی کے بقول:

"سید محمد نور الحسن نوؔر کی فکری پرواز بہت بلند ہے، خواہ غزل ہو یا نعت، ان کے شعر کہنے کا انداز انفرادی نوعیت کا ہے.... ان کی نعتیہ شاعری میں مضامین کی جدت طرازی اور نئی تراکیب وضع کرنے کا عنصر ان کی شعری نگارشات کو میزانِ اعتبار فراہم کرتا ہے۔ (وسلموا تسلیما)

"زہے نصیب" اور "فلک" کی ردیف پر لکھی گئی نعتیں شاذ و نادر ہی نگاہوں سے گذرتی ہیں، لیکن نور صاحب کی شعری عظمت اور کمالِ فن کی داد دیجیے کہ انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں "زہے نصیب" اور "فلک" جیسی ردیف پر نعتیہ کلام لکھ کر اردو زبان وادب کے ذخیروں میں ایک بیش قیمت اضافہ کیا ہے:

ردیف "فلک" کے یہ چند اشعار نذرِ قارئین ہیں:

بیان کرتا ہے یہ نطقِ اعتلائے فلک
ہیں نقش پائے نبی باعثِ ضیائے فلک
اگر غرور ہو اپنی بلندیوں پہ بہت
فرازِ گنبد خضریٰ کو دیکھ جائے فلک
سحر کے موڑ پہ بامِ افق پہ روز اے نوؔر
چراغ عشقِ شہِ دوجہاں جلائے فلک

سبحان اللہ! نوؔر صاحب کی اس نعت میں زبان وبیان کا زور، ندرتِ خیال، اسلوب کی دلکشی، صوتیاتی رنگ و آہنگ، بلندیِ افکار، شعری و ادبی جمال، فنی کمال اور لسانی بانکپن اپنے نقطۂ انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔

اس عاشقِ راز نے اپنے ممدوح جناب رسالت مآب ﷺ کی تعریف و توصیف میں بڑے حسین، دلکش اور کیف آگیں شعری پیکر تراشے ہیں اور اپنے اعلیٰ فکر و فن کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس نعت پاک کے تمام اشعار اور مصرعے اپنی جگہ "ادبِ عالیہ" کا نمونہ اور "ادبی شہ پارے" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خاص طور سے یہ شعر تو اپنا جواب نہیں رکھتا:

ہے دسترس میں علوئے جہانِ عز و شرف
کہو کہ قد پہ ہمارے نہ مسکرائے فلک

"زہے نصیب" کی ردیف پر مشتمل یہ اشعار بھی ملاحظہ کریں:

سرکار کا ہوں میں بھی ثنا خواں زہے نصیب!
حاصل ہے مجھ کو گوہرِ ایماں زہے نصیب!
نعتِ رسولِ پاک کی خوشبو نے آج پھر
چھیڑا ہے میرا سازِ رگِ جاں زہے نصیب!
مجھ پر ہے مہرباں، مری جانب سے ملتفت
اے نوؔر! مدحِ شاہِ رسولاں زہے نصیب!

سائنسی انقلاب کے اس دور میں جہاں ہر شعبۂ حیات میں نمایاں ترقی و تبدیلی رونما ہوئی ہے، وہاں علوم و فنون اور شعر و ادب کا شعبہ بھی شاہراہِ ترقی پر گامزن ہے۔ شاعری کے مختلف اصناف میں موضوعات و اسالیب کے لحاظ سے جو اہم تبدیلیاں سامنے آئی ہیں، اس نے صنفِ نعت کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن بدن اس پاکیزہ صنف میں بھی ترقی ہو رہی ہے۔ اور یہ بات بلا تامل کہی جاسکتی ہے کہ "نعت گوئی" کے فن کو موضوعات و اسالیب، نت نئے لہجے اور تازگی بخشنے میں دیگر نعت گو شعراء کی طرح سید الشعراء جناب سید نور الحسن نوؔر فتح پوری دام ظلہ نے بھی بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کے مجموعۂ کلام پر غائرانہ نظر ڈالنے والے افراد راقم الحروف کے دعویٰ کی صداقت کو ضرور تسلیم کریں گے۔ جناب نوؔر فتح پوری کی "نعت گوئی" داخلی کیفیات کے بیان اور اظہارِ شیفتگی کا ایک دلکش مرقع اور ان کی بلاغت فکر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ نوؔر صاحب نے اپنی نعت گوئی سے "عشق رسول ﷺ" کی بزمِ پرنور سجا کر اصلاحِ فکر و عمل کا کام لیا ہے۔ ان کے کلام میں جہاں اسلام کے بنیادی عقائد کا تذکرہ ملتا ہے، وہیں کردار و عمل کا آئینہ بھی پوری تابانی کے ساتھ جگمگاتا نظر آتا ہے۔ اسی لیے تو بانگِ دہل کہتے ہیں:

رسولِ پاک کا کردار کہہ رہا ہے یہی
کسی سے بات ہو، لہجہ گلاب سا رکھنا

شاعری اور بالخصوص "نعتیہ شاعری" کے میدان میں اپنے فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کے سبب راقم الحروف محمد طفیل احمد مصباحی، جناب سید نور الحسن نورؔ فتح پوری کو اکیسویں صدی کا "سید الشعرا" قرار دیتا ہے۔ امید ہے کہ اہلِ علم و ادب اس مبنی بر حقیقت خطاب کو تسلیم کریں گے اور ان کی جبین نیاز پہ "سید الشعراء" کی کلاہِ افتخار ضرور سجائیں گے۔

کلامِ نور کی ادبی خصوصیات:

شرعی نقطۂ نظر اور زبان و بیان کے لحاظ سے کلامِ نورؔ میں راقم آثم کو کہیں انگلی رکھنے کا محل نظر نہیں آیا۔

نظم اور نثر میں جو فنی محاسن اور ادبی خصوصیات ہونی چاہیے، وہ سید نور الحسن نورؔ کے نعتیہ کلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ ان کے پاکیزہ کلام میں ادب اور فن کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ موصوف کی فنکاری اور جولانیِ طبع کے گوہرِ نایاب سے اہلِ شعر و سخن اپنے ذوق کی تسکین کر سکتے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں الفاظ کا شکوہ و بانکپن، خیالات کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی لطافت و جدت دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اپنے لطیف جذبات و احساسات کی کامیاب مصوری کر کے سید نورؔ صاحب نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "نعت گوئی" جیسی مشکل ترین فن کو برتنے میں انھیں استادانہ کمال اور فنی ملکہ حاصل ہے۔ اردو شعر و ادب کی تاریخ میں میں قادر الکلام، کہنہ مشق، پُرگو اور ایک عظیم نعت گو شاعر کی حیثیت سے وہ ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

نورؔ صاحب کی شاعری میں زبان و بیان کا لطف، خیالات کی پاکیزگی، جذبات کی شدت و حرارت، الفاظ و محاورات کا برمحل استعمال، صنائع و بدائع، فکر انگیز تشبیہات و استعارات کی جلوہ ریزی، لہجہ و اسلوب کا نیاپن، نغمگی و سحر آفرینی، خوبصورت الفاظ و تراکیب کی بھرمار، سادگی و صفائی اور سلاست و روانی جیسی اعلیٰ ادبی و فنی خصوصیات بہر گام نظر آتی ہیں اور قارئین کو مسحور کر دیتی ہیں۔

"کلامِ نورؔ کی ادبی خصوصیات" ایک مستقل عنوان ہے، جس پر تفصیل سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ! اگر زندگی نے وفا کی تو راقم الحروف اس موضوع پر پوری ایک کتاب لکھ کر اہلِ علم و ادب کی بارگاہ میں پیش کرے گا۔

"کلامِ نورؔ کی ادبی خصوصیات" میں راقم کو جو خصوصیت سب سے نمایاں نظر آئی، وہ ان کے کلام کی سلاست و روانی، صفائی و برجستگی، سادگی اور خوب صورت الفاظ و دلکش تراکیب ہے۔ جناب سید نور الحسن نورؔ دام ظلہ کے کلام میں یہ ادبی خصوصیات جگہ جگہ نظر آتی ہیں اور قارئین و سامعین کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ نورؔ صاحب کی شاعرانہ عظمت اور ان کے اعلیٰ فکر و فن کو دیکھتے ہوئے ان کے حق میں بے ساختہ زبان پر یہ شعر مچلنے لگتا ہے

علم و ادراک و سخن دانی و طرزِ تحریر
ایک مرکز پہ سمٹ آئے ہیں جوہر سارے

وقت اور صفحات کی قلت کے پیشِ نظر ہم تفصیلات سے گریز کرتے ہیں اور سرِ دست "کلامِ نورؔ" کی دو چند ادبی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سلاست و روانی، سادگی و برجستگی:

سید نور الحسن نورؔ صاحب کے کلام کی نمایاں ترین خصوصیت سلاست و روانی اور سادگی و برجستگی ہے۔ صرفؔ و نحوؔ اور زبانؔ و بیانؔ کی خامیاں ان کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔ غیر مانوس الفاظ و تراکیب سے احتراز کیا گیا ہے۔ سلیس، سادہ اور رواں دواں اسلوب میں اشعار نظم کیے گئے ہیں، جن میں سلاست و روانی اور سادگی کے ساتھ برجستگی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ سادگی و صفائی اور سلاست و روانی کی مثالیں ملاحظہ کریں:

خالق تو ہے، داتا تو
ہم سب کا رکھوالا تو
ماں سے زیادہ رب کریم
ہم کو چاہنے والا تو
کالی رات کے سینے پر
جگنو رکھنے والا تو
آگے بڑھنے والوں پر
کھولنے والا رستہ تو
نورؔ کی آنکھوں کا ہے نور
دل کا ہے سرمایہ تو

مندرجہ بالا حمدیہ اشعار سادگی و صفائی، سلاست و روانی اور برجستگی کی عمدہ ترین مثال ہیں۔ اس کے علاوہ ذیل کے نعتیہ اشعار بھی اس ادبی خصوصیت کے حامل ہیں:

درِ شاہِ مدینہ دیکھتا ہوں
زمیں پر عرشِ اعلیٰ دیکھتا ہوں

نبی کی یاد شاید آ رہی ہے
کھلا دل کا دریچہ دیکھتا ہوں
جہانِ کن کی ساری وسعتوں کو
نبی کے زیرِ سایہ دیکھتا ہوں
نہ جانے کیا ہوا مجھ کو کہ ہر سو
مدینہ ہی مدینہ دیکھتا ہوں
ہے تیرے سر پہ تاجِ مدحِ آقا
ترا قد سب سے اونچا دیکھتا ہوں
ابھی مت ٹوکنا اے نورؔ مجھ کو
ابھی روضہ نبی کا دیکھتا ہوں

خوبصورت الفاظ اور دلکش تراکیب:

شاعری میں تاثیر کی کیفیت پیدا کرنے اور تاثر کے عمل کو گہرا کرنے کے لیے الفاظ کا موزوں و متناسب اور انتخابی ہونا ضروری ہے۔

ڈاکٹر عنوان چشتی کہتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ شاعری میں الفاظ کی اشاریت، بنیادی تاثر یا شعری تجربہ کی ترسیل کا فرض انجام دیتی ہے اور تاثر کو گہرا کرتی ہے۔۔۔۔۔ شاعری میں لفظی صوتیت بھی شعری تجربہ کے آہنگ سے پھوٹتی ہے۔ لہٰذا اچھا شاعر، شعری تجربہ کے اظہار کے لیے انھیں الفاظ کو استعمال کرتا ہے جو صوتیاتی نقطۂ نظر سے موزوں اور مناسب ہوں۔(نئی غزل، نئی جمالیات، ص:۵۷)

جناب سید نور الحسن نورؔ صاحب کی تقدیسی شاعری کا ایک نمایاں ترین پہلو ''موزوں و متناسب الفاظ اور دل کش تراکیب کا استعمال'' ہے۔ نعتیہ شاعری جیسی پاکیزہ صنفِ سخن کے لیے جس قسم کے پاکیزہ خیالات، لطیف احساسات اور بلند آہنگ الفاظ و کلمات کا استعمال ہونا چاہیے، نورؔ فتح پوری نے اس کی بھرپور رعایت کی ہے اور اپنی شاعری میں خوبصورت الفاظ و تراکیب اور دلکش پیرایۂ بیان کا استعمال کر کے صفحۂ قرطاس کو ''زعفران زار'' بنادیا ہے۔

خوبصورت تراکیب اور دلکش الفاظ کا یہ حسین امتزاج ملاحظہ کریں:

کرم اس قدر میرے غفار کردے
منور مری بزم کردار کردے
ودیعت کر اپنی ولا کے اُجالے
مرا قریۂ جاں ضیا بار کردے

حبّ و ولآء کے اجالے سے ''قریۂ جاں کو ضیا بار'' کرنے کی یہ شعری ترکیب بڑی اچھوتی اور دل کو چھو لینے والی ہے۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم کے صدقے ''ساعتِ زندگی کو چمک دار'' کرنے کی یہ ترکیب بھی بڑی دل فریب اور نورؔ صاحب کے شاعرانہ کمال کی منھ بولتی تصویر ہے:

نبی کے تبسم کا صدقہ عطا کر
مری ساعتوں کو چمک دار کردے

یہ شعر بھی دیکھیں:

سرِ صحرائے دل عشقِ نبی کا
پنپتا ایک پودا دیکھتا ہوں

خوبصورت الفاظ اور دلکش تراکیب پر مشتمل یہ اشعار ملاحظہ کریں اور جناب نور فتح پوری کی شاعرانہ عظمت کی داد دیں:

کرم ہے خاکِ کوئے مصطفی کا
جو پہنے ہیں ستاروں کی قبا ہم

کوئے مصطفی ﷺ کی خاک پاک کے صدقے اپنے وجود اور ہستی کو منور ثابت کرنے کے لیے اس کی تعبیر ''ستاروں کی قبا پہنے ہیں ہم'' سے کرنا، کس قدر اچھوتی تعبیر اور عمدہ ترکیب ہے۔

وہ مرا دشتِ خرد ہے، وہ مرا دشتِ خیال
عشقِ سرکار کے آہو جہاں رَم کرتے ہیں

اللہ اکبر! خوبصورت الفاظ و تراکیب کی گنگا کتنی روانی کے ساتھ بہتی جا رہی ہے۔

استاذ الشعراء جناب نور الحسن نورؔ دام ظلہ کے کلام کے الفاظ و تراکیب، صوتیاتی نقطۂ نظر سے بڑی موزوں و مناسب اور سامعین کے دلوں میں گدگدی پیدا کر دینے والی ہیں۔

طاقِ انفاس پہ روشن ہیں درودوں کے دیے
نورؔ ہم اس طرح طے راہِ عدم کرتے ہیں

معراج کے سفر پہ روانہ ہوئے حضور
ہر شے جہانِ ہست کی نغمہ طراز ہے
میں اور گیسوئے شہِ طیبہؐ کا سائباں
وہ اور شامِ حزن کی زلفِ دراز ہے

(باقی ص:۳۴ر پر)

نقد و نظر

نام کتاب	:	**باغ فردوس کا" مجتہدین اسلام نمبر"[۲]**
مقالہ نگاران	:	طلبۂ جامعہ اشرفیہ
صفحات	:	۴۶۰
اشاعت	:	فروری ۲۰۱۸ء
ناشر	:	تنظیم پیغام اسلام، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
تبصرہ نگار	:	توفیق احسنؔ برکاتی [جامعہ اشرفیہ]

ہندستان کی عظیم دینی دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کی طلبہ تنظیم "پیغام اسلام" اپنی علمی و تاریخی فتوحات کا سلسلہ بڑی تیزی سے دراز کرتی جارہی ہے جس کا ثبوت زیر نظر "مجتہدین اسلام نمبر" کی دوسری جلد ہے جو ابتدائیہ و انتہائیہ چھوڑ کر ۴۵۰ صفحات پر محیط ہے، یہ جامعہ اشرفیہ کے ان شاہین صفت، باعزم طالبان علوم نبوت کے علم و قلم کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ اس میدان میں ملک ہند کے مدارس اسلامیہ میں دور دور تک کوئی ان کا شریک وسہیم نظرنہیں آتا۔ جامعہ اشرفیہ جہاں ایک منضبط نظام درس و افتا کی بنا پر عالمی شہرتوں کا حامل ہے وہیں اپنی تحقیقی و علمی و نصابی کاوشوں کی بنیاد پر بھی امتیازی شان رکھتا ہے۔ اس برس عرس عزیزی کے موقع پر طبع ہونے والی علمی و تاریخی کتب میں سب سے نمایاں "فتاویٰ جامعہ اشرفیہ" کی پانچویں جلد ہے، زیر نظر تاریخی دستاویز بھی اسی شمار میں ہے۔ بقیہ کتابوں میں "نیپال میں اسلام کی تاریخ" [مفتی محمد رضا قادری]، " علامات امام مہدی" [مولانا اظہار النبی حسینی] اور "فرزندان اشرفیہ کی علمی و تصنیفی خدمات" [مولانا فضل الرحمٰن برکاتی] کا نام لیا جاسکتا ہے۔

"مجد دین اسلام" اور "مجتہدین اسلام" [صحابہ مجتہدین و اہل فتویٰ] کے بعد "مجتہدین اسلام" [تابعین مجتہدین و اہل فتویٰ] کا تحقیقی و تاریخی تسلسل یہ بتاتا ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے باذوق طلبہ کا قلم اور ان کے بلند قامت فکر ایوان علم میں اپنی کامرانی کا سکہ رائج الوقت رکھے گی۔ یہ وہ علمی کارنامہ ہے جو اردو دنیا میں ایک ریکارڈ کہا جائے گا۔ بر صغیر کا مطبوعاتی علم و ادب جہاں تک راقم کی معلومات میں ہے اس کی روشنی میں اس طرح کی کسی نادر کتاب کا وجود نہ کے برابر ہے۔

کتاب کے مقدمہ نگار مولانا فیضان سرور اورنگ آبادی نے اس وسیع و بسیط موضوع کا جو خاکہ مرتب کیا ہے وہ سات ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگا، جس کی یہ جلد دوم ہے، بقیہ جلدیں بھی منظر عام پر آئیں گی، لیکن سر دست امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کے جشن صد سالہ [۱۴۴۰ھ] کی مناسبت سے آئندہ آنے والا مجلہ "رضویات کے فروغ میں جامعہ اشرفیہ کا کردار" کے موضوع پر ہوگا، پھر مجتہدین اسلام کی تیسری جلد حسب سابق شائع ہوگی۔ زیر تبصرہ کتاب ۴۶۰ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں بلاد مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور مصر کے ۷۸ مجتہدین فقہا کا تذکرہ جمیل موجود ہے، یہ تراشے ہوئے علمی جواہر ان جوہریوں کی دستکاریاں ہیں جنھوں نے ابھی قلم اٹھایا ہے اور ہنر تراشائی کے سلسلے کا آغاز کیا ہے، بظاہر وہ نوآموز ہیں لیکن ان کی تحریروں میں جو پختگی، قلم آشنائی کا رنگ، مہارت اور علمیت نظر آتی ہے وہ کافی نظر افروز اور فکر آمیز ہے، ان میں چند ہی ایسے ہیں جو درجہ فضیلت و تحقیق کے فارغ التحصیل ہیں، اکثر ابھی مختلف درجات کے طالب علم ہیں اور خوش ترنگ قرطاس و قلم کا شوق رکھتے ہیں، حقیقت میں یہ ہیرے ہیں جنھیں اساتذہ جامعہ نے اپنی نگرانی میں تراش خراش کے اس لائق بنایا ہے کہ وہ تراشنے کا عمل شروع کر سکیں۔

اکثر مضامین میں صاحب تذکرہ کا نام و نسب، القاب و آداب، ولادت و وفات، تعلیم و تعلم، اساتذہ و شیوخ، ممتاز تلامذہ، سلسلہ احادیث و فقہ، ان کی تابعیت کا ثبوت، اخلاق و عادات، ذہانت و فطانت، حق گوئی، حزم و احتیاط، فقہی و اجتہادی مقام، اور فقہ و اجتہاد کی مثالوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور ہر بات حوالوں کی روشنی میں ریکارڈ کی گئی ہے، جو ایک عمدہ تحریر کی خوبی ہے، سبھی مقالہ نگار حضرات قابلِ مبارکباد ہیں۔ فقہا و مجتہدین کوفہ میں دنیاے اسلام کے عظیم فقیہ، مجتہد، محدث، عاشق رسول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ مولانا محمد رئیس اختر مصباحی بارہ بنکوی کے قلم سے وجود میں آیا ہے جو کتاب کے چوبیس صفحات میں پھیلا ہوا ہے، یہ مختصر ضرور ہے مگر مقالہ نگار نے اختصار میں جامعیت کی رنگ آمیزی کی ہے اور اچھا لکھا ہے، اس مقالے میں انھوں نے امام اعظم کے علمی و فقہی و اجتہادی مقام کی وضاحت کرتے

ہوئے حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی شرطوں کی روشنی میں امام اعظم کے درجہ اعتبار کو نمایاں کیا ہے اور عظیم محدث ہونے کے شواہد ذکر کرتے ہوئے قلت روایت کی وجہوں کو بیان کیا ہے جسے سے یہ الزام تار عنکبوت کی طرح بکھر جاتا ہے کہ ان کی مرویات کل سترہ ہیں اور یہ کہ وہ حدیث کو ترک کرکے قیاس کا سہارا لیتے تھے۔ جواب میں مقالہ نگار تحریر کرتے ہیں: ”ان کی مرویات کم ضرور ہیں مگر کم روایت کی وجہ حدیث میں ان کی بے مائیگی نہیں ہے، بلکہ نقل و روایت حدیث میں ان کے شرائط دیگر ائمہ، محدثین کی بہ نسبت زیادہ سخت تھے، اور وہ اصول روایت کے ساتھ ساتھ اصول درایت کو بھی خاص طور پر اہمیت دیتے تھے۔“[ص: ۳۳۴] یہ محض بیان بازی نہیں ہے، بلکہ ثبوت میں علامہ ابن خلدون کا قول بھی پیش کیا گیا ہے، قلتِ روایت کا ایک سبب یہ بھی بیان کرتے ہیں: ”کہ وہ صرف ایک محدث ہی نہ تھے، بلکہ متکلم، مجتہد، فقیہ اور داعی بھی تھے، خصوصیت کے ساتھ انھوں نے حالات زمانہ کے اہم تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون اسلامی کی تدوین کا جو مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا وہ یکسوئی اور انہماک کا طالب تھا اور اتنا وقیع اور اہم کام تھا، جس نے دوسرے امور کو پس انداز کرنے پر مجبور کر دیا۔“[۳۳۵] سچ تو یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے احادیث نبویہ کی جمع و تدوین کا فریضہ بھی ادا کیا ہے، انھوں نے چار ہزار محدثین سے حدیثیں اخذ کی تھیں اور انھیں مدون کرکے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا مگر روایت میں کافی حزم و احتیاط کو مظاہرہ فرمایا۔ آپ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے ”کتاب الآثار“ کا انتخاب کیا ہے۔ مقالہ نگار نے امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے علمی وفقہی کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ان کی تدوین فقہ، طریقہ استنباط، تدوین فقہ کے اثرات، ذہانت و حذاقت، اخلاق و اطوار، زہد و ورع جیسے حقائق پر کلام کیا ہے۔

گزشتہ شماروں کی طرح اس دستاویزی نمبر میں بھی مولانا فیضان سرور مصباحی اورنگ آبادی [متعلّم درجۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ] نے ایک انتہائی مبسوط اور جامع مقدمہ ”عہد تابعین کا فقہی ماحول: ایک تحقیقی مطالعہ“ کے عنوان سے تحریر کیا ہے جو اس مجلے کی جان ہے، مقدمہ نگار کی خوبی یہ ہے کہ وہ موضوع کا احاطہ اس ہنرمندی سے کرتے ہیں کہ اس کے جملہ گوشوں تک قاری کا ذہن پہنچ جاتا ہے اور اسے مزید تحقیق کے لیے ایک اچھا میدان میسر آجاتا ہے، مقدمہ کا آغاز فقہ اسلامی کے تاریخی چھ ادوار کی تقسیم سے ہوتا ہے، اس کے بعد قرآن و حدیث کی روشنی میں تابعین کی فضیلت، تابعی کی تعریف، امام اعظم ابو حنیفہ کی تابعیت، تابعین کی تعداد، تابعین کے طبقات، مخضرمین کی تابعیت، تابعین کا ابتدائی دور، عہد صحابہ کی فقہی مجلسیں، تابعین عظام کی فقہی تربیت، تابعین عظام کی فقہی مجلسیں، دور تابعی کے فقہی مراکز، اور ان مراکز کے مشہور تابعی فقہا سے روشناس کرایا ہے، اس کے بعد فقہ کے دو رجحانات ”حجازی مکتب فکر“ اور ”عراقی مکتب فکر“ کی تقسیم کرتے ہوئے ان کا پس منظر، طریقہ کار اور ان کے اثرات و نتائج کو بیان کیا ہے، پھر ایک سوال اٹھایا ہے کہ کیا اہل الرائے ہونا کوئی مذموم امر ہے؟ اور اس کا تحقیقی و علمی جواب مختلف علمی حوالوں سے دیا ہے اور اخیر میں بحث کو نتیجہ خیز بناتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان دونوں مکاتب فکر کے سامنے آنے سے قبل حدیث و فقہ باہم ملے جلے تھے، جو محدثین روایت حدیث میں مشغول رہتے تھے وہی فتاویٰ اور حکم شرعی بھی بتاتے تھے۔ مگر حجاز و عراق کی فکری تقسیم اور فقہی کشمکش کی وجہ سے دونوں نے باہم ممتاز ہو کر الگ الگ فن کی صورت اختیار کر لی اور اب فقہ و فتاویٰ میں مشغول رہنے والے اصحاب ”فقہا“ کہلائے اور اسلامی مراکز میں اب شرعی احکام کی تحقیق و تفتیش میں انھی کی طرف مراجعت ہونے لگی۔ اب اس گروہ نے اپنے آپ کو استنباط مسائل کے لیے پورے طور پر وقف کر دیا اور مسائل فقہیہ کے استدلال و استنباط کی ضرورت کی حد تک روایت حدیث کے سوا، احادیث پر زیادہ توجہ نہ فرمائی۔ دوسری جانب محدثین تھے جن کی پوری توجہ احادیث و روایت کی طرف تھی، وہ حضرات فقہی احکام میں صرف ضرورت کی حد تک ہی غور و فکر کرتے تھے، بقیہ حفاظت حدیث میں لگے رہتے۔“[ص:۴۲]

یہ مقدمہ علمی و تحقیقی مزاج کا زائیدہ ہے جس کے اندر عہد تابعین کا فقہی احوال نامہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، مقدمہ نگار قابل ستائش اور لائق تحسین ہیں، اللہ انھیں مزید علمی و تحقیقی کمال عطا فرمائے، آمین۔

آغاز میں شہزادہ حافظ ملت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ قبلہ عزیز ملت دام ظلہ کے دعائیہ کلمات، حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی دام ظلہ کی تقریظ اور نبیرہ حافظ ملت مولانا نعیم الدین عزیزی کے ستائشی جملے موجود ہیں جو جملہ مقالہ نگاران، مرتبین، معاونین کے حوصلوں کو توانا کرتے ہیں اور علمی و تحقیقی میدان میں جامعہ اشرفیہ کے فرزندان کی کاوشوں کو محبت بھری نگاہ سے ملاحظہ کرتے ہوئے ان کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ ”حرفِ آغاز“ اس مجلہ کے لیے سب سے زیادہ پریشان رہنے والے مولانا محمد ابوہریرہ رضوی نے تحریر کیا ہے۔ اللہ عزوجل یہ علمی کاوش قبول فرمائے، آمین۔

منظومات

درِ حبیب پہ گردن جھکائے بیٹھے ہیں

در نبی پہ جو بستر جمائے بیٹھے ہیں
انھیں کی یاد میں خود کو مٹائے بیٹھے ہیں

دلوں میں جن کے ہے روشن چراغ حب نبی
وہی تو ذکر کی محفل سجائے بیٹھے ہیں

گناہ گارو نہ گھبراؤ تم خدا کی قسم
"انا لہا" کا وہ مژدہ سنائے بیٹھے ہیں

مکینِ سدرہ سے پوچھو رسول کی عظمت
در حبیبِ پہ گردن جھکائے بیٹھے ہیں

وہی رضاؔ جنہیں ہم نے امام مانا ہے
وہابیوں کے وہ چھکے چھڑانے بیٹھے ہیں

جنہیں پلادیا ساقی نے مست نظروں سے
وہ آج بزم میں محشر اٹھائے بیٹھے ہیں

وصالؔ ان کے کرم کا کوئی حساب نہیں
گدا اسی لیے دھونی رمائے بیٹھے ہیں

وصال احمد اعظمی مصباحی

پیتا ہوں روز حبِ رسولِ خدا کا جام

وردِ زباں ہے جب سے رسولِ خدا کا نام
کرنے لگا ہے سارا جہاں میرا احترام

اللہ رے یہ شہرِ پیمبر کا احترام
ہوتی نہیں یہاں پہ ہوائیں بھی تیز گام

مصروف ہوں میں ذکرِ رسالت مآب میں
رحمت خدائے پاک کی ہے مجھ سے ہم کلام

مجھ کو نوازتی ہیں سدا ان کی رحمتیں
بنتا ہے ان کے لطف سے میرا ہر ایک کام

اے گردشِ زماں مری جانب نہ دیکھنا
آلِ رسولِ پاک کے در کا ہوں میں غلام

شہرِ نبی کا پہلے ارادہ تو کیجیے
پھر دیکھیے کہ ہوتا ہے کس طرح انتظام

فیضِ نگاہِ مرشدِ عالی وقار سے
پیتا ہوں روز حبِ رسولِ خدا کا جام

جاتا ہوں بارگاہِ نبی میں جھکائے سر
رخشِ تصورات کی تھامے ہوئے لگام

سید مجیب الحسن مجیبؔ توّابی

سوچتے رہ جائیے

سوچیے رتبہ نبی کا سوچتے رہ جائیے
کیوں انھیں رب نے بلایا، سوچتے رہ جائیے

وہ جو ان پر پھینکتی تھی روز کوڑا دیکھ کر
کیوں گئے گھر اس کے آقا، سوچتے رہ جائیے

اٹھ گیا دستِ دعا، بادل برسنے آگئے
کیسا ہے اعجاز ان کا، سوچتے رہ جائیے

جانور کو بھی نہ دو تکلیف، یہ کہتے تھے وہ
ہے یہ عالی شان اُسوہ، سوچتے رہ جائیے

چوم کر پائے نبی ذرّے ہمالہ ہو گئے
سَر کا پھر کیا ہوگا جلوہ، سوچتے رہ جائیے

آیتِ قرآں میں یہ ان کی رضا کی بات ہے
ہو گیا تبدیل قبلہ، سوچتے رہ جائیے

رات کی تاریکیوں میں رحمتِ عالم نے کیوں
اشک سجدے میں بہایا، سوچتے رہ جائیے

بھوک میں مہتابؔ اک پتھر رسول اللہ نے
کیوں شکم پر اپنے باندھا، سوچتے رہ جائیے

مہتاب پیامی

صدائے بازگشت

ایسی محبتیں پروان کیوں چڑھ رہی ہیں؟

جو لوگ کولکاتا، دہلی، مدراس، بنگلور، گڑگاؤں، ممبئی، جے پور، حیدرآباد، کوچی اور لکھنو (انڈیا میں اس وقت انہی دس بڑے شہروں میں میٹرو ٹرینیں چلتی ہیں) کی میٹرو ٹرینوں میں سفر کرتے ہیں انہیں بخوبی اندازہ ہے کہ ان ٹرینوں میں بھیڑ بھاڑ کے اوقات ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار لڑکے اور لڑکیوں کے لیے کس قدر فرحت بخش اور مسرت انگیز 'مواقع' ساتھ لاتے ہیں۔ ٹرینوں کے کونے کھدرے میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے اور مس کرنے میں جو حظ وہ اٹھاتے ہیں، اس کی تعبیر تو وہی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کی حظ اندوزی کا واقعہ ۳۰/ اپریل کو کولکاتا میٹرو ٹرین کے ہم دم ریلوے اسٹیشن پر پیش آیا جو بعد میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے زحمت بلکہ ہزیمت اور ذلت کا سبب بن گیا۔ یہ دونوں ٹرین کے ایک کونے میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر کھڑے تھے، ایک بزرگ اس پر معترض ہوئے اور پھر مسافروں نے دونوں کی جم کر پٹائی کر دی۔

آپ کسی بھی صاحبِ اخلاق اور معلم اخلاق سے دریافت کریں وہ میٹرو ٹرینوں میں ہونے والی ان حرکات کو ہرگز صحیح نہیں ٹھہرائے گا۔ ظاہر ہے جو حرکت غلط ہے اسے جواز کیسے فراہم کیا جاسکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا صرف معترض ہونے سے کام چل جائے گا؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ وعظ و نصیحت کی ہزاروں ہزار تقریروں اور کتابوں کے انبار کے باوجود یہ جنسی بے راہ روی کا طوفان تھمنے کا نام کیوں نہیں لے رہا ہے، بلکہ مشاہدہ تو یہ ہے کہ اس میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، تو آخر اس کا علاج کیا ہے اور اس پر بندھ کیسے باندھا جاسکتا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے ایک نہیں درجنوں پہلو ایسے ہیں جن پر ہمارے بڑوں نے ابھی تک کسی بھی سنجیدہ گفتگو کو رواج نہیں دیا بلکہ وہ شاید اسے تضیع اوقات کے خانے میں ڈال کر 'احساس ذمے داری' میں سرشار ہو جاتے ہیں اور ان موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے کتراتے ہیں حالاں کہ یہ بہت حساس موضوعات ہیں، انہی میں سے ایک لڑکے اور لڑکی کی کچی پکی محبت اور ان کے جسمانی رشتے کا معاملہ ہے۔ اس محبت کو پروان چڑھانے میں بالی ووڈ کی فلموں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے برصغیر میں جس طرح سے محبتیں پروان چڑھتی رہی ہیں اور چڑھتی ہیں اور اندازہ ہے کہ چڑھتی رہیں گی ان میں ہمارے اردو کے شعرا، دانشوروں اور فلم کے مکالمات لکھنے والوں کا 'کارنامہ' سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اس طرح کی محبتیں برصغیر کے علاوہ اور کہیں نہیں پائی جاتیں، اس کی وجہ دانشوروں اور شاعروں اور فلم رائٹروں کی نفسیات ہے۔ آپ یہ کہ کر خود کو تسلی دے سکتے ہیں کہ برصغیر کی مٹی میں ہی محبت رچی بسی ہے اس لیے اگر محبتیں پروان چڑھتی ہے تو حرج کیا ہے؟ جواب بالکل درست ہے کہ مگر ان محبتوں کی وجہ سے جو معاشرہ پروان چڑھ رہا ہے اس نے سماج کے تانے بانے بکھیر کر رکھ دیے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ یہ محبتیں صرف بڑے شہروں میں نہیں پلتیں بڑھتیں، چھوٹے شہر بھی ان سے کسی بھی طور پر پیچھے نہیں ہیں بس فرق یہ ہے کہ بڑے شہر میں ذرا کھل کر ہوتا ہے اور چھوٹا شہروں میں ذرا دب کر۔

ہم نے اپنے بچوں، ماتحتوں اور شاگردوں کی کبھی بھی اس نہج پر تربیت نہیں کی بلکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کچی محبتوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور سوشل میڈیا نے اسے جم کر بڑھاوا دیا ہے۔ بلا شبہہ جنسی عمل اور اس کے دواعی پر کھل کر گفتگو کرنا کسی بھی شریف اور اچھے انسان کے لیے آسان کام نہیں مگر ہوشیار مائیں اپنی بچیوں کی اس معاملے میں ذہنی تربیت ضرور کر سکتی ہیں اور بخوبی کر سکتی ہیں۔ ان کچی محبتوں کی وجہ سے جو بوجھ ہمارے معاشرے پر ہے اس نے پورے معاشرے کی کمر دوہری کر دی ہے۔ اس میں کس کو شبہہ ہو سکتا ہے کہ محبت بڑی پاکیزہ اور مقدس احساس کا نام ہے مگر یہ محبت، محبت بھی تو ہو، یہاں تو ہوس کو محبت کا نام دے دیا گیا ہے اور لفظ محبت کا جنازہ نکال دیا گیا ہے۔ اس طرح کے موضوعات پر ورک شاپ اور مذاکرات ہوں اور کالج کی لڑکیوں اور لڑکوں کو بطور خاص مدعو کر کے ان کی ذہنی تربیت کی جائے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں مگر یہ کام حساس افراد ہی کر سکتے ہیں۔ صرف حرام، حرام، حرام کی رٹ لگانے سے آج تک نہ کچھ ہوا ہے

اور نہ ہو سکتا ہے ،اس کے لیے عملی تدابیر بھی اختیار کرنی ہوں گی ۔ جن لوگوں کے پاس بولنے کا فن ہے وہ بس بولے ہی جا رہے ہیں اور جن کے پاس لکھنے کا ہنر ہے وہ اپنے ہنر کا مظاہرہ کرنے کو ہی اپنی سب سے بڑی ذمے داری سمجھتے ہیں، عملی کام کرنے والے بہت کم ہیں ہمیں بولنے اور لکھنے سے زیادہ زمین پر اترنے اور عملی کام کرنے کی ضرورت ہے بصورت دیگر برائیوں کا گراف کم ہونے کی بجائے بڑھتا ہی جائے گا۔کم از کم میں اپنے حق میں خدا سے یہی بھیک مانگتا ہوں کہ خدائے پاک اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے مجھے بولنے اور لکھنے سے زیادہ عملی کام کرنے ، پردے کے پار جھانکنے ،حقائق تک پہنچنے اور اپنے معاشرے کے حقیقی مسائل کا تصفیہ کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔آپ بس آمین کہہ دیں۔

از:صادق رضا مصباحی
sadiqraza92@gmail.com

مدد چاہتی ہے یہ حوّا کی بیٹی

بھارت میں جیوتی محفوظ ہے یا آصفہ؟شاعرہ بانو خوش ہیں یا یشودا بین مودی؟ ہندوستان جنت نشان، میں اگر مسلمان خواتین کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے تو کیا ہندو خواتین کو انصاف ملتا ہے؟ یہ سوال ہم اس لئے اٹھا رہے ہیں کیونکہ جہاں ایک طرف طلاق، حلالہ اور تعدد ازواج کے نام پر حکومتِ وقت اور نیتاؤں کو مسلم خواتین پر ترس آتا رہتا ہے، وہیں دوسری طرف ہندو خواتین کی کوئی بات نہیں کرتا گویا ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ہم سوال پوچھنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ جب ہندوستان بھر میں ریپ نے وبا کی شکل اختیار کر رکھا ہے تو کیا اس کی شکار صرف مسلمان عورتیں ہو رہی ہیں؟ کیا ”بیٹی بچاؤ“ کا نعرہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے؟اگر ظلم اور استحصال کی شکار سماج کے سبھی طبقوں کی خواتین ہو رہی ہیں تو ”تین طلاق“، تعدد ازواج اور حلالہ کے بہانے صرف مسلمان خواتین کے حال زار پر گھڑیالی آنسو بہانے کا مطلب کیا ہے؟کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر چند مسلمان خواتین درندگی کا شکار ہوتی ہیں تو ان سے دس گنا زیادہ ہندو عورتیں ریپ کا شکار ہوتی ہیں؟اگر ایک آصفہ حیوانیت کا شکار ہوتی ہے تو اس کے مقابلے میں سو ”جیوتی“ یا نربھیا درندگی کی بھینٹ چڑھتی ہیں؟ پھر کیا سبب ہے کہ خواتین کے مسائل کو مذہب کے خانوں میں تقسیم کر دیکھا جائے۔ اناؤ سے سورت تک اور ہریانہ سے مدھیہ پردیش تک جتنے بھی ریپ کے واقعات ہوئے ہیں، ان میں زانیوں کی ہوس کی بھینٹ بیشتر ہندو لڑکیاں ہی چڑھی ہیں، اسی طرح اگر دو چار شاہ بانو اور شاعرہ بانو جیسی خواتین طلاق ثلاثہ کے سبب پریشان ہوتی ہیں تو ملک بھر میں یشودا بین جیسی لاکھوں ہندو خواتین بغیر طلاق کے ہی مطلقہ جیسی زندگی جینے پر مجبور ہیں۔سوال یہ بھی ہے کہ جس ملک میں وزیر اعظم کی بیوی کو اس کا حق نہیں ملتا، وہاں دوسری خواتین انصاف کی کتنی امید کر سکتی ہیں؟ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ مسلم خواتین پر مظالم نہیں ہو رہے ہیں، ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خواتین پر جو مظالم ہو رہے ہیں، ان کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ سماجی ڈھانچے کے سبب ہے مگر تنگ نظری اسے مذہب کے خانوں میں بانٹ کر دیکھتی ہے۔

کہاں گئیں کروڑوں ہندو خواتین؟

کیا سچ نہیں ہے کہ بھارت میں ہر سال کروڑوں بچیوں کو ماؤں کے پیٹ میں ہی قتل کر دیا جاتا ہے اور ان میں اکثریت ہندو ہوتی ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ بھارت میں ہر سال کروڑوں خواتین غائب ہو جاتی ہیں اور ان کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور ان میں بیشتر ہندو ہوتی ہیں؟ وزیر اعظم نریندر مودی اور ان کی پارٹی کے نیتا مسلم خواتین کی حالت پر بار بار آنسو بہاتے ہیں اور گزشتہ دنوں پارلیمنٹ کے بجٹ سشن کے موقع پر تو صدر جمہوریہ رام ناتھ کووند کو بھی مسلم خواتین کی یاد آئی۔انھوں نے اپنے خطاب میں کہا تھا”مسلم خواتین کا احترام کئی دہائیوں سے سیاسی نفع و نقصان کا بندھک رہا۔اب ملک کو اس صورت حال سے چھٹکارا حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔میری حکومت نے تین طلاق کے سلسلے میں ایک بل پیش کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ پارلیمنٹ جلد ہی اسے قانونی شکل دے دیگی۔تین طلاق پر قانون بننے کے بعد مسلم بہن، بیٹیاں بھی خود اعتمادی کے ساتھ بے خوف زندگی جی سکیں گی۔“ صدر جمہوریہ کو تین طلاق پانے والی مسلم عورتوں پر رحم ضرور آیا مگر کیا ہم یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ انھیں ان ہندو خواتین پر ترس کیوں نہیں آیا جو بغیر طلاق کے ہی اپنے شوہروں کی طرف سے چھوڑ دی جاتی ہیں؟ صدر جمہوریہ خواہ جس قدر اپنی سرکار کی پیٹھ تھپتھپالیں مگر سچ تو یہ ہے کہ کئی تحقیقاتی رپورٹوں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک سے ہر سال کروڑوں لڑکیاں غائب ہو جاتی ہیں اور اب تک تقریباً ۶ کروڑ ۳۰ لاکھ عورتیں غائب ہو چکی ہیں، جن کا کچھ اتہ پتہ نہیں ہے اور حکومت بھی ان کی تلاش کی کوشش نہیں کر رہی ہے۔یہ خبر خواہ بھارت میں کم چرچا کا موضوع ہو کیونکہ ہم ایسی سنجیدہ باتوں کے بجائے فرقہ وارانہ موضوعات پر زیادہ گفتگو کے عادی بن چکے

ہیں مگر بیرون ملک اس موضوع پر بڑے بڑے اخبارات اور ٹی وی چینل سوال اٹھا رہے ہیں۔ نیویارک ٹائمز سے لے کر الجزیرہ ٹی وی چینل تک اس پر اسٹوری کر چکے ہیں لہٰذا تین طلاق پر فکر مند صدر جمہوریہ، وزیر اعظم مودی اور ان کی بھگوا سرکار کو اس جانب بھی دھیان دینا چاہئے۔ حکومت کا دعویٰ ہے کہ ملک میں "بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ" کا دائرہ بڑھ رہا ہے۔ حکومت غریبوں کی پریشانیوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے، ۶۴۰ اضلاع میں بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ اسکیم چل رہی ہے۔ حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دوسری طرف ملک بھر میں ریپ کے واقعات بڑھ رہے ہیں اور اس میں بھاجپا کے کم از کم ۱۴ ممبران پارلیمنٹ و اسمبلی بھی ملزم ہیں۔ ایسے میں "بیٹی بچاؤ، بیٹی پڑھاؤ" کا نعرہ کتنا بامعنی ہے؟

دوسری شادی پر پابندی کی فکر:

مسلم خواتین کے غم میں حکومت اس قدر گھلی جا رہی ہے کہ اس کی طرف سے کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں میں ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد مسلم خواتین کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ایک طرف تو مسلم پرسنل لاء کو ختم کرنا مقصود ہے تو دوسری طرف ملک کے عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانا ہے۔ بھارت میں ایک سے زائد شادیوں کا رواج ناپید ہے۔ ایسا کم ہی دیکھا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگ ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، انھیں اس بات سے مطلب نہیں کہ مذہب اور قانون میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ ہندوؤں میں پہلے ایک سے زائد شادیوں کا رواج تھا جس پر قانونی پابندی عائد کر دی گئی مگر پھر بھی ملائم سنگھ یادو اور کروناندھی جیسے لوگ دو شادیوں کر لیتے ہیں اور قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ تا۔ بی جے پی کے سابق ممبر پارلیمنٹ اور اداکار دھرمیندر کی دو بیویاں اب بھی موجود ہیں اور ان کی دوسری بیوی ہما مالنی ہیں جو بی جے پی کی ایم پی بھی ہیں۔ ویسے بات چل رہی ہے ایک سے زائد شادی پر پابندی لگانے کی مگر ایسے مردوں کی بھی کمی نہیں جو ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت کے ساتھ بغیر شادی کے ہی جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ملک کی آبادی میں ہندو زیادہ ہیں تو ایسا کرنے والوں میں بھی ہندوؤں کی اکثریت ہوگی۔ سوال یہ بھی ہے کہ اگر ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنے سے پہلی بیوی کی حق تلفی ہوتی ہے تو بغیر شادی کے جنسی تعلق قائم کرنے سے حق تلفی نہیں ہوتی؟

اصل مسئلہ کی طرف دھیان دیں:

ہندوستان کا اصل مسئلہ تین طلاق، تعدد ازواج اور حلالہ نہیں بلکہ خواتین کے ساتھ ناانصافی ہے۔ وزیر اعظم مودی اور ان کے وزراء یہ بتانے کی زحمت نہیں کرتے کہ ملک میں کس طرح روز بروز ریپ کی وارداتیں بڑھ رہی ہیں؟ اور اس میں کتنے ملزم خود ان کی اپنی پارٹی کے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ جس موضوع پر ساری دنیا میں بھارت کی تھو تھو ہو رہی ہے، اسی کو دبانے میں سرکار لگی ہوئی ہے۔ برسر اقتدار پارٹی کے لوگ جب ان معاملوں میں پکڑے جاتے ہیں تو انھیں بچانے کی کوشش خود سرکار کی طرف سے کی جاتی ہے۔ آصفہ کیس میں تو حد ہی ہوگئی جب بی جے پی کے وزیر تک ترنگا جھنڈا اٹھاکر، وندے ماترم کے نعرے لگاتے ہوئے ریپ کرنے والوں کی حمایت میں آگئے۔ ذرا سوچئے کہ دنیا، بھگوا سیاست کے اس انداز کو دیکھ کر کیا سوچ رہی ہوگی۔ آج لڑکیاں نہ اپنے گھر میں محفوظ ہیں اور نہ گھر کے باہر۔ آٹھ ماہ کی بچی سے لے کر ۸۰ سال کی بڑھیا تک کی عصمت خطرے میں ہے مگر افسوس کہ حکومت کو صرف "تین طلاق" کا مسئلہ نظر آتا ہے، جب کہ یہ محض ایک سماجی مسئلہ ہے جس کا تعلق بھارتی معاشرے سے ہے نہ کہ مذہب اسلام سے۔ عورتوں کے احترام کے خلاف قدم اٹھانے والے صرف مسلمان نہیں ہیں بلکہ ان میں سے زیادہ تر ہندو ہیں مگر حکومت اسے بھی ہندو، مسلم مسئلے کی طرح دیکھ رہی ہے اور وہ ہندو عورتوں کی حق تلفی کر رہی ہے۔ یہ مذہب کے نام پر خواتین کو تقسیم کرنے کی کوشش بھی ہے۔ حکومت کو یہ سمجھنا ہوگا کہ جو مسئلہ بھارتی سماج سے جڑا ہوا ہے، اور یہاں کے لوگوں کی ذہنیت سے منسلک ہے، اسے ہندو، مسلم میں بانٹ کر کیوں دیکھا جائے۔ اسے سمجھنا ہوگا کہ خواتین کے مسائل تین طلاق کے علاوہ بھی ہیں اور ان کے سامنے بڑا مسئلہ ان کے خلاف بڑھتی ہوئی مجرمانہ سرگرمیاں ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ خواتین کے تحفظ کے تئیں زیادہ حساس رویہ اختیار کرے۔ پچھلے بجٹ میں، حکومت نے خواتین کی حفاظت کے لئے "نربھیا فنڈ" کا اعلان کیا تھا، لیکن آج تک صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ حالات پہلے ہی جیسے ہیں اور پیسے کی کمی اس منصوبہ کی ناکامی کا ایک اہم سبب ہے۔ صفائی کی بات کرنے والی سرکار آج تک راستوں کے کنارے خواتین کے لئے بیت الخلاء تک نہیں بنوا سکی ہے پھر مسلم خواتین کی ہمدردی، ریاکاری کے سوا کیا ہے۔

از: غوث سیوانی، نئی دہلی

خیر و خبر

مولانا مفتی محمود احمد رفاقتی کا وصال

یادگار اسلاف، ممتاز عالمِ دین، عظیم و محقق و مصنف اور وسیع المطالعہ مورخ، شہزادۂ امینِ شریعت، حضرت مولانا مفتی محمود احمد رفاقتی مظفرپوری کا مورخہ ۲۶؍ مئی ۲۰۱۸ء کو دن کے ایک بج کر چالیس منٹ پر انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جنازے کی نماز پیر کے روز گیارہ بجے دن میں ان کے آبائی وطن بھوانی پور، مظفرپور، بہار میں ہوئی۔ ان کی وفات پر اظہارِ افسوس اور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور کے وائس چانسلر، مشہور ماہرِ اسلامیات، پدم شری پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر ایمریٹس شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے کہا کہ ”ان کی وفات ہمارے بیچ سے ایک قاموسی حیثیت کے عالم کا اٹھ جانا ہے۔ وہ عارف بھی تھے اور دائرۃ المعارف بھی۔ برِ صغیر میں اہلِ سنت کی تحریک اور تاریخ کے لیے وہ سب سے مستند اور معتبر حوالہ تھے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے حبیبِ پاک ﷺ کے صدقے میں ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، رمضان کے مبارک مہینہ میں ان کی وفات کا ہونا مقبولیت کا ایک غیبی اشارہ ہے۔“

دار القلم، ذاکر نگر نئی دہلی کے بانی و صدر مولانا یٰسین اختر مصباحی نے فرمایا کہ حضرت کا وصال جماعت اہلِ سنت، امتِ مسلمہ اور خاص طور سے علم و تحقیق دوست افراد کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ پروفیسر مشاہد عالم رضوی پوکھریروی، صدر شعبۂ بایو جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، پروفیسر فاروق احمد صدیقی پوکھریروی سابق صدر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی مظفرپور، رضا اکیڈمی ممبئی کے جنرل سکریٹری، الحاج سعید نوری اور محمد اشرف الکوثر مصباحی پوکھریروی، ریسرچ اسکالر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور مولانا محمد طفیل احمد مصباحی نے مشترکہ طور پر حضرت کی رحلت پر غم کا اظہار فرماتے ہوئے تعزیت پیش کی اور کہا کہ ہم سبھی لوگ شریکِ غم ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرما کر انھیں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے جملہ پس ماندگان بالخصوص ان کے شہزادۂ اکبر حضرت مولانا عامر اشرف و دیگر اہلِ خانہ اور معتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

از: مفتی محمد رضا مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مدنی میاں عربک کالج کا ستائیسواں سالانہ جلسۂ دستار بندی

قائد قوم و ملت حضرت سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی صاحب قبلہ کی صدارت میں بمقام کچی گارڈن ہبلی، حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا قائم کردہ دینی و ملی ادارہ مدنی میاں عربک کالج کا ستائیسواں سالانہ جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا۔ بعد نماز عشا جلسہ کا آغاز حافظ منظور عالم (متعلّم مدنی میاں عربک کالج) نے قرآن پاک کی تلاوت سے کیا۔ محمد نوریز، محمد مختار اشرف نے نعت رسول سنایا۔ بعد ازاں مدنی میاں عربک کالج کا ترانہ پڑھا گیا۔

مدرسہ ہٰذا کے صدر المدرسین مولانا نثار احمد مصباحی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ آپ نے مہمانان کرام کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ مدنی میاں عربک کالج میں درس نظامی کا جو نصاب ہے وہ ملک کی عظیم درسگاہ ”الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور“ کے نصاب کے مطابق ہے۔ مقرر خصوصی حضرت مولانا یعقوب عالم اشرفی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ چند نام نہاد مسلمان، ضمیر فروش افراد جو دینی مدارس کو بند کرنے کی احمقانہ بات کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری مدارس دینی قلعے ہیں یہاں علم و عمل اور امن و محبت کی بات ہوتی ہے۔ دین کے تحفظ و بقا اور نشر و اشاعت کے لیے مدارس کا ایک اہم کردار ہے۔ مدارس ہماری پہچان اور شان ہیں۔ اس کی طرف نظر بد رکھنے والے برباد ہو جائیں گے۔ نیز آپ نے فرمایا مجھے قلبی مسرت ہو رہی ہے کہ حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا لگایا ہوا یہ علمی پودا آج تناور ہو کر ہر سال فارغین کی شکل میں اپنے پھولوں کی مہک پورے ملک میں بکھیر رہا ہے۔

مولانا نعیم الدین اشرفی نے مدرسہ ہذا کا سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ علوم اسلامیہ کا سرچشمہ مدنی میاں عربک کالج کا یہ ستائیسواں سالانہ جلسہ ہے۔ اس دوران اب تک فضیلت، عالمیت، حفظ و قرات میں کل ۲۵۴؍ طلبہ یہاں سے فارغ ہوئے۔ جن میں ۱۴۹؍ فارغین کا تعلق صوبہ کرناٹک سے ہے۔ مدرسہ ہذا میں درس نظامی کے علاوہ انگلش و کنڑ زبان کی تعلیم، مدنی میاں کمپیوٹر سنٹر، سمر کیمپ، اسکالر شپ اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔

علماو مشائخ کے مقدس ہاتھوں سے فارغین کی دستار بندی ہوئی اور سند سے نوازا گیا۔ امسال ۵/عالم، ۳/حافظ، ۷/قاری کل ۱۵/طلبا کی فراغت ہوی۔ فارغین نے عہد طالب علمی کے متعلق اپنے تجربات کا اظہار کیا اور ہدیہ تشکر پیش کیا۔ محمد صدام حسین نے عربی زبان میں، محمد امیر پاشاہ نے اردو زبان میں، محمد زبیر نے کنڑ زبان میں، محمد ساحل نے انگریزی زبان میں اور محمد دلبر نے منظوم تہنیتی اشعار کے ذریعہ ہدیۂ تشکر پیش کیا۔ سالانہ امتحان میں ممتاز درجے سے کامیابی حاصل کرنے والے طلبا، سال کا بہترین طالب علم محمد داداپیر آندھرا، احمد رضا چوڈلی درس نظامی میں ممتاز طالب علم، فیضان رضا شعبۂ حفظ میں ممتاز طالب علم، شعبۂ قرات میں فیروز عالم ممتاز طالب علم ان سب کو انعامات سے نوازا گیا۔

خطیب خصوصی نواسۂ حضور شیخ الاسلام حضرت سید طلحہ اشرف اشرفی جیلانی صاحب قبلہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ ہر مدرسہ میں تعلیم و تربیت ہوتی ہے مگر ہم کو ضرورت ہے کہ ہمارے گھر میں بھی تعلیم و تربیت کا ماحول ہو۔ اپنے گھروں کا ماحول سدھاریں، اپنے نسلوں کی حفاظت کریں۔ ماں باپ اچھے ہونگے تو اولاد بھی اچھی ہوگی۔ جب ماں باپ اچھے ہوتے ہیں تو اولاد صلاح الدین ایوبی جیسے نیک اور مرد مجاہد بنتے ہیں۔ جب ماں باپ نیک ہوتے ہیں تو کوئی غوث اعظم بنتے ہیں، کوئی غریب نواز بنتے ہیں، کوئی مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی بنتے ہیں۔ آج کل مدرسے میں حافظ قرآن تو بنتے ہیں مگر محافظ قرآن نظر نہیں آتا۔ قوم مسلم کے حالات کو دیکھا جائے تو حالات یہ تقاضا کرتے ہیں کہ یہ دور پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی تلاش میں ہے، قوم کو محمد بن قاسم جیسے رہنما کی ضرورت ہے، غوث اعظم جیسے بافیض رہبر طریقت کی ضرورت ہے۔ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جو محافظ قرآن تھے۔ اصلاحی پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اس دور میں ہمیں دین اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے خود دین اسلام پر عمل کرنا ہوگا، اپنی زندگی شریعت کے مطابق گذارنا ہوگا، اپنے گھروں میں دینی ماحول بنانا ہوگا ورنہ نئی نسلیں دین سے دور ہوکر تباہ ہو جائیں گی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مدنی میاں عربک کالج پر مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا روحانی فیض، محدث اعظم ہند کا سایۂ لطف و کرم، حضور شیخ الاسلام کی نظر عنایت ہے جس کے سبب یہ ادارہ عروج و ترقی منزلیں طے کر رہا ہے اور ہمیشہ یہ علمی و روحانی فیض کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس علمی و روحانی جلسہ میں شہر ہبلی اور اطراف واکناف سے علمائے کرام، مشائخ عظام، ائمۂ مساجد، عمائدین شہر، فارغین مدرسہ ہذا اور ان کے اعزہ واقارب دستار بندی کے پرکشش منظر کو دیکھنے کے لیے کثیر تعداد میں تشریف لائے۔ ادارے کی جانب سے سب کا استقبال و خیر مقدم کیا گیا۔

جلسہ کی نظامت مولانا نعیم الدین اشرفی نے نبھائی۔ آخر میں صلاۃ وسلام پڑھا گیا، قائد اعلی ادارہ ہذا حضرت سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی صاحب قبلہ نے دعا فرمائی اور ناظم اجلاس نے آئے ہوئے تمام مہمانان و سامعین، جملہ اراکین و معاونین ادارہ ہذا کا شکریہ ادا کیا۔ اس طرح جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

رپورٹ: صدر و اراکین مدنی میاں عربک کالج ہبلی۔

تحریک پیغام اسلام کے زیر اہتمام
عظیم الشان "امام اعظم ابو حنیفہ کانفرنس و سیمینار"

سراج الامہ، امام الائمہ، امام اعظم ابو حنیفہ سیدنا نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۸۰۔۱۵۰ھ) علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کے ساتھ ساتھ عمل صالح اور اخلاق حسنہ کے مثالی پیکر تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اتباع شریعت و سنت میں گزرا۔ شریعت اسلامی کی نزاکتوں کا پورا پورا خیال رکھتے۔ آپ علم، تقوی، پرہیزگاری، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کو ترجیح دینے میں اس مقام ارفع واعلیٰ پر فائز تھے کہ اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اس عظیم محسن انسانیت، امام اعظم ابو حنیفہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے بتاریخ ۲۶/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بعد نماز عصر تا ۱۲/ بجے شب باغ احمد ینگٹ ہال میں "تحریک پیغام اسلام جمشید پور" نے آٹھواں سالانہ عظیم الشان "امام اعظم ابو حنیفہ کانفرنس و تصوف سیمینار" کا انعقاد کیا، جس کا کلیدی عنوان "تصوف: اسلامی تعلیمات کی روح" تھا۔ سیمینار و کانفرنس کا آغاز حافظ و قاری محمد سرفراز الفت کلکتہ کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ حمد باری تعالی، نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت امام اعظم ابو حنیفہ بالترتیب مولانا ساجد علی سعیدی مصباحی امام مسجد پیغام اسلام، جناب حافظ فہیم اصدق دھنباد اور قاری سرفراز الفت کلکتہ نے پیش کیے۔ جب کہ نظامت کے فرائض بعد عصر تا عشا جناب حاجی رضی نوشاد، اور بعد عشا تا اختتام

حضرت مولانا سید نور الدین اصدق مصباحی ایڈیٹر جام شہود بہار شریف نے انجام دیے۔ اور اس کے ساتھ ہی شہر اور بیرون شہر کے مندوبین علما، مشائخ اور پروفیسرز حضرات نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔ بالخصوص ڈاکٹر سید بلال احمد رضوی (مولانا مظہر الحق یونیورسٹی پٹنہ) نے عصر حاضر میں تصوف کی اہمیت و ضرورت، ڈاکٹر محمد انور عالم (کریم سٹی کالج) نے مسلم دور حکومت پر صوفیۂ کرام کے اثرات، پروفیسر احمد بدر منعمی (کریم سیٹی کالج) نے تصوف اور اصلاح معاشرہ اور پروفیسر ذکریا (پرنسپل کریم سیٹی کالج) نے ہندوستان کی مشترکہ تہذیب اور صوفیۂ کرام اور مولانا منظر محسن خطیب و امام مکہ مسجد دھنکیڈیہ نے صوفیائے کرام کا منہج دعوت و تبلیغ پر اپنے خصوصی مقالات پیش کیے۔

کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ محمد صباح الدین منعمی سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ گیا نے صوفیۂ کرام کے خدمت دین میں اخلاص و للّٰہیت کو بیان فرماتے ہوئے بتایا کہ یہ وہ لوگ تھے جن کا سرمایۂ حیات مال و دولت اور جائداد نہ تھا، بلکہ خدا خوفی، صبر، توکل، تقویٰ، فقر، محاسبہ، تزکیہ، اخلاص، امانت، دیانت اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت اور انسانوں کی خدمت ان کی زندگی کا مشن تھا اور وہ اس سلسلے میں کسی کمزوری اور مداہنت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان جیسے بت پرستانہ ماحول میں جابرانہ حکومتوں کے ہزار رکاوٹوں کے باوجود یہاں کے چپے چپے میں اسلام کا نور پھیل گیا۔

مولانا منظر محسن خطیب و امام مکہ مسجد دھنکیڈیہ نے اپنے مقالہ میں کہا کہ بھارت کی سرزمین صوفیانہ منہج دعوت کے لیے نہایت زرخیز ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اہل مدارس و خانقاہ اپنے یہاں دعوہ سینٹر کا قیام کریں جہاں سے داعی و مبلغ پیدا ہوں، خدمت خلق کے لیے مختلف فلاحی امور پر توجہ دیں کہ ہمارے صوفیہ نے خدمت خلق کے ذریعہ مخلوق کے دلوں کو جیتنے اور بندوں کو خالق حقیقی سے قریب کرنے کا کام کیا ہے۔

واضح رہے کہ سیمینار و کانفرنس کی سرپرستی شیخ طریقت خطیب الاسلام علامہ سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی سجادہ نشین خانقاہ بشیریہ اصدقیہ چشتی چمن، پیر بیگھہ شریف، نالندہ اور صدارت، یادگار سلف پیر طریقت حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق چشتی نظامی سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ نظامیہ دانا پور، پٹنہ نے فرمائی، جب کہ خصوصی مہمان کے طور پر پیر طریقت حضرت سید شاہ مشاہد اصدق چشتی سجادہ نشین خانقاہ اصدقیہ چشتی چمن، پیر بیگھہ شریف، نالندہ اور پیر طریقت حضرت سید شاہ شرف الدین محمد نیر قادری سجادہ نشین خانقاہ محمدیہ قادریہ اورنگ آباد، پیر طریقت حضرت مولانا سید شاہ عارفین اصدق غوثی، سجادہ نشیں خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سہسرام، پیر طریقت حضرت حافظ سید شاہ محمد فیاض اصدق ، خانقاہ سجادیہ اصدقیہ، برن پور بنگال اور مولانا سید شاہ عابد قادری امجھر شریف بہار نے شرکت فرمائی۔

پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق نے اپنے خطاب صدارت میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات و خدمات دینیہ پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ امام اعظم علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کے علم کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے صرف ان شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی جو تابعی تھے۔ اور وہ اس وقت کے عظیم کوفہ کے تمام علوم کے عالم تھے۔ واضح رہے کہ اس وقت کوفہ علم و فضل کا مرکز تھا، کیوں کہ اسے چند ایک صحابہ کرام اور عظیم فقہا و محدثین تابعین نے اپنی قیام گاہ بنایا تھا۔ لہذا امام اعظم فقہ و حدیث کے وہ سرچشمہ تھے جن سے ہزاروں فقہا اور محدثین نے سیرابی حاصل کی۔ انھوں نے اس فکر و افسوس کا بھی اظہار فرمایا کہ تصوف، تزکیۂ نفس اور تقویٰ و طہارت یہ سب سیمینار اور لکھنے اور بولنے کی چیز نہیں بلکہ کرنے اور اپنانے کا کام ہے۔ آج صوفیۂ کرام کے سارے علمی کارنامے ہمارے سامنے ہیں ، مگر اس کے ساتھ ہی بدقسمتی سے زہد و ورع، ایثار و للّٰہیت، دلوں کی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس ناپید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آخر کیوں! یہ ایک چبھتا ہوا سوال ہے جس پر بہت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

تحریک کے بانی و سربراہ مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی دام ظلہ نے موجودہ حالات پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مسلمانوں میں دینی بیداری کے حوالے سے ایک موثر درس دیا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ آج وطن عزیز ہندوستان کے اس افسوس ناک حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ صبر و تحمل اور تقویٰ و طہارت کے ساتھ اسلام کے انصاف پسند نظریات غیروں تک پہنچائیں ، کیوں آگ بجھانے کے لیے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، نہ کہ آگ کی۔

حضرت مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی دام ظلہ نے اپنی تقریر کے اخیر میں تحریک کے قابل فخر کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ ”مسجد پیغام اسلام و اسلامک سینٹر“ کے قیام کے اغراض و

مقاصد بتائے، ان مقاصد میں ایک عظیم مقصد یہ بتایا کہ اس سینٹر سے خصوصی طور پر ان نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے گا جو کالج اور یونیورسٹی سے وابستہ ہیں اور مدارس میں جانے کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ”مسجد پیغام اسلام واسلامک سینٹر“ (گلاب باغ، فیس ۲/ جمشید پور) کا افتتاح بتاریخ ۱۰/ شعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۷/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعہ کی نماز جمعہ سے ہونے جارہا ہے۔

تحریک کے ڈائریکٹر حضرت مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی دام ظلہ نے اپنے تمام معزز مہمانوں اور سامعین کا والہانہ خیر مقدم کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا اور یہ کانفرنس و سیمینار مکمل نظم وضبط، متانت و سنجیدگی اور اصول وضابطے کے ساتھ صلاۃ وسلام اور دعا پر اختتام پزیر ہوا۔ اس میں شہر کے علما، ائمہ اور دانشوران نے کثیر تعداد میں شرکت کی اور امام اعظم کی بارگاہ میں اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔

از: مولانا ساجد سعدی مصباحی
خطیب وامام مسجد پیغام اسلام واسلامک سینٹر، جمشید پور

تنویر رضا برکاتی "کوہِ نور آف برہان پور" ایوارڈ سے سرفراز

مدھیہ پردیش کے ایک معروف علمی و تاریخی شہر برہان پور کو برصغیر ہند و پاک میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہ شہر صدیوں سے علما، ادبا شعرا اور صوفیا کا مرکز رہا ہے، یہاں بے شمار تاریخی اور یادگار عمارات بھی قائم ہیں، جو صدیوں سے عوام کو سیر و تفریح کا سامان فراہم کررہی ہیں۔ ان تاریخی عمارات میں ایک شاہی قلعہ بھی ہے، جسے مغل شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، جہاں پر ارجمند بیگم ممتاز محل نے اپنی زندگی کی آخری سانسیں لیں اور اسی مقام پر ۷/ جون ۱۶۳۱ کو بیگم کا انتقال ہوا۔ ارجمند بیگم ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کیا جانے والا اور دنیا کے سات عجوبوں میں شمار کیا جانے والا تاج محل بھی اسی شہر برہان پور میں بننا تھا مگر پانی کی کمی ہونے کی وجہ سے نہیں بن سکا۔ تاج محل کی تعمیر کے دوران ارجمند بیگم ممتاز محل کی نعش کو برہان پور کے پائین باغ میں ۶/ ماہ تک رکھا گیا اور پھر اسے آگرہ منتقل کیا گیا۔ جس قلعہ میں بیگم نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی اس قلعہ کی سب سے اہم خاص بات یہ ہے کہ یہ شہر برہان پور کے لوگوں کے لیے بلا تفریق مذہب وملت شان و وقار، اتحاد و یک جہتی اور پیار و محبت کی ایک اعلی ترین علامت بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ۴۹/ برسوں سے آصف پروڈکشن بھارت کے زیر اہتمام بیگم ممتاز محل کی برسی پر اس کی یاد میں "ممتاز فیسٹیول" کا انعقاد عمل میں آرہا ہے۔ واضح ہو کہ اس خاص موقع پر ہر سال شہر برہان پور کی کسی خاص علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی شخصیت کو بااثر شخصیات کے ہاتھوں ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ ہر سال کی طرح امسال بھی ممتاز فیسٹیول کا انعقاد ۷/ مئی ۲۰۱۸ء بروز پیر کو مومن جماعت خانہ میں ایک باوقار تقریب میں پنڈت ساگر ترپاٹھی، سورج ناگر سابق ایس ڈی ایم برہان پور، ڈاکٹر واصف یآر، ریاض کھوکھر، ضیاء انعامدار کے ہاتھوں شہر برہان پور کے افق پر ابھرنے والے ایک درخشندہ ستارے جناب تنویر رضا برکاتی کو ان کی گوناگوں خدمات کے اعتراف میں ”کوہِ نور آف برہان پور“ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

ہم اس مبارک اور پر مسرت موقع پر جناب تنویر رضا برکاتی کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تہنیت و تبریک پیش کرتے ہیں۔ اس اہم اور سنہرے موقع پر ملک و بیرونی ملک کی بے شمار شخصیات نے تنویر رضا برکاتی کو ڈھیروں دعائیں دیں اور کلمات تحسین پیش کیا، جن میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

صاحبزادہ علامہ وجاہت رسول قادری پاکستان، مفتی نور محمد حسنی قادری پورن پور، مفتی توفیق احسن برکاتی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مولانا جاوید عنبر مصباحی انڈومان، مولانا خالد ایوب مصباحی شیرانی راجستھان، فیروز برہان پوری کراچی پاکستان، ڈاکٹر کاشف رضا شاد مصباحی گلبرگہ شریف، شان عالم مسعودی بہرائچ شریف، فاروق جائسی کانپور، سرداسلیم حیدرآباد، مختار عدیل مالیگاؤں (نامہ نگار انقلاب) استاد لطیف شاہد (مدیر اعلیٰ سہ ماہی دارالسرور)، اکرام انصاری گبّو سیٹھ (ڈائریکٹر پاور لوم ڈیولپمنٹ اینڈ ایکسپورٹ پرموشن کونسل آف انڈیا)، قمرالدین فلک، اقبال انصاری (مدیر اعلیٰ حرف حرف آئینہ)، طاہر نقاش (پرنسپل گورنمنٹ اردو ہائر سیکنڈری اسکول لالباغ)، ڈاکٹر عارف انصاری (صدر فاضلی اردو لیٹریری اینڈ ویلفیئر سوسائٹی)، پٹھان آصف خان (ہیڈ ماسٹر الفیض اردو ہائی اسکول جالگاؤں)، اکرم ضیاء (بزم الف لام میم)، ڈاکٹر اسرار اللہ انصاری، ڈاکٹر شہزاد انجم برہانی علیگ

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو اور مزید دین وملت کی عظیم خدمات انجام دینے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ آمین

از: محسن رضا ضیائی، چیف ایڈیٹر، ماہ نامہ انوار ہاشمی بیجاپور کرناٹک

■■■■■■■■■■■■■■■